جلد ۱۹ و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن) عدد ۸-۹

ماہنامہ میثاق لاہور

ستمبر ۱۹۷۲ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم-بی-بی-ایس (پنجاب) ایم-اے اسلامیات (کراچی)

★

:- یکے از مطبوعات :-

دار الاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ ۔ اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱ (فون 69522)

قیمت فی پرچہ : ایک روپیہ

دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

کا مقصد

علومِ قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت

ہے : تاکہ

(۱) عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اُس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو ——— اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔

(۲) بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے متعارف ہوں اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کیلئے وقف کریں

تاکہ

ایک عظیم الشان قرآن اکیڈمی کے قیام

کی راہ ہموار ہو سکے!

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ

دعوتِ توثیق عہد الست و تجدید میثاق ایمان کا علمبردار

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۱۹ ـــــــ شمارہ ۸-۹

بابت

اگست، ستمبر - ۱۹۷۲ء

فی پرچہ ـــــــ ایک روپیہ
سالانہ ـــــــ دس روپے

شرائطِ ایجنسی

ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے :
پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا ؛
کمیشن ۲۲½ فی صد ـــ محصول ڈاک بذمہ میثاق ،

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دار الاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

فون : ۶۹۵۲۲

فہرست مضامین

★ تذکرہ و تبصرہ ——— اسرار احمد ۳

★ تدبر قرآن ——— مولانا امین احسن اصلاحی

• تفسیر سورۂ توبہ (۸) ——— ۹

• 〃 〃 〃 (آخری قسط) ——— ۴۷

★ مقالات و مضامین ———

• فضیلت ابوبکرؓ و عمرؓ (۳) — شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۲۹

• عربی اسلامی ثقافت ہسپانوی مسیحیوں میں ——— تالیف: ڈاکٹر شیخ ہدفتاب / ترجمہ: پروفیسر محمد چودھری ۳۶

★ خطوط و نکات ———

• مولانا حسین احمد مدنیؒ اور تحریک پاکستان ——— ڈاکٹر عبداللطیف منہاس ایم بی بی ایس - ایف آر سی پی ۷

نرخنامہ اشتہارات

کور کا صفحہ نمبر ۴ (مکمل) -/۲۰۰ • کور کے صفحات ۲ و ۳ (مکمل) -/۱۷۵

ان کے لیے بلاک مہیا کیے جائیں ورنہ طباعت ٹائپ میں ہوگی

عام صفحات کل صفحہ -/۱۰۰ • نصف صفحہ -/۸۰

نوٹ: مسلسل چھ اشاعتوں پر ۱۲½ اور بارہ اشاعتوں پر ۲۵ فیصد رعایت

اسرار احمد

تذکرہ و تبصرہ

اس مرتبہ پھر ایک اشاعت کا ناغہ ہوگیا۔ یعنی اگست کا شمارہ شائع نہیں ہو سکا۔ اور اب یہ اگست اور ستمبر کی مشترکہ اشاعت پیش خدمت ہے۔ مستقل خریدار حضرات کی خدمت میں ہم نے اس 'نقصان' کی تلافی کے طور پر "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کے دوسرے اضافہ شدہ ایڈیشن کا ایک ایک نسخہ ارسال کر دیا تھا۔ امید ہے کہ سب حضرات نے اسے پسند فرمایا ہوگا۔

اس ناغے کا اصل سبب یہ ہے کہ اواخر جولائی میں راقم کے ایک نہایت قریبی عزیز جو نہ صرف یہ کہ حقیقی پھوپھی زاد بھائی اور بہنوئی ہیں بلکہ بچپن کے ساتھی اور ہمجولی بھی ہیں اچانک مفقود الخبر ہوگئے اور کم از کم دو ہفتے ان کی تلاش اور سخت پریشانی و سرگردانی کی نذر ہوگئے۔ پرچے کا اکثر حصہ تیار اور کتابت شدہ موجود تھا لیکن بقیہ کی تکمیل ناممکن تھی۔ لہٰذا مجبوراً ناغے ہی کا فیصلہ کیا گیا۔

ان سطور کی تحریر کے وقت تک ان کی گمشدگی کو سوا مہینہ ہو چکا ہے لیکن تاحال ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ جس محکمہ میں وہ ملازم تھے اس میں ایک غبن کا معاملہ زیر تفتیش ہے اور اندیشہ یہ ہے کہ وہ کسی بڑی سازش کا شکار نہ ہوگئے ہوں۔ واللہ اعلم۔ بہرحال قارئین 'میثاق' سے درخواست ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ ان کو بخیریت اپنے بوڑھے والدین، اعزہ و اقربا اور بیوی بچوں میں واپس لے آئے۔ اس کی قدرت سے تو بہرحال کچھ بھی بعید نہیں۔ فَاِنَّكَ تَعْلَمُ وَلَا نَعْلَمُ وَتَقْدِرُ وَلَا نَقْدِرُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ!

جولائی کی اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ اوائل اگست میں ایک دس روزہ "قرآنی تربیت گاہ"

آواخر دسمبر میں ایک ایسی ہی تربیت گاہ پھر قائم ہو۔[۱] بلکہ راقم کی دل کی بات پوچھئے تو وہ تو یہ ہے کہ جلد از جلد ایک ایسی "قرآنی خانقاہ"[۲] وجود میں آجائے جہاں یہ سلسلہ دائماً چلتا رہے اور قرآن حکیم کے طالب وہاں گروہ در گروہ اور قافلہ در قافلہ آتے رہیں اور وہی سماں بندھ جائے جو سورۂ توبہ میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے کہ :

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ	تو کیوں نہ ہوا یہ کہ نکلتی ہر گروہ میں
مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا	سے ایک جماعت تاکہ سمجھ حاصل
فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ	کرتی دین کی۔ اور پھر خبردار کرتی اپنے
اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ۔	لوگوں کو ان کے پاس واپس جا کر۔

(سورۂ توبہ آیت ۱۲۲)

بظاہر احوال تو یہ ایک بہت دُور کی بات معلوم ہوتی ہے لیکن راقم کی حقیر سی کوششوں کو اللہ کریم نے جس طرح شرف قبولیت بخشا اور بار آور کیا ہے اس کے پیش نظر راقم کو تو " اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا "کے مصداق یہ بالکل سامنے کی بات معلوم ہوتی ہے —— وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ !

---

[۱] اس کے لیے مقام کا تعین ابھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم راقم کی جانب سے اس سلسلے میں پہلی ترجیح کراچی کو حاصل رہے گی ! (مدیر)

[۲] اس لفظ سے دراصل راقم کی زندگی کی ایک اہم یاد وابستہ ہے۔ ہوا یوں کہ ۱۹۶۵ء میں جب راقم الحروف برادرم مکرم ڈاکٹر مسعود الدین حسن عثمانی کے ساتھ اشتراکِ عمل کے پروگرام کے تحت منٹگمری (حال ساہیوال) سے کراچی منتقل ہوا تو مخدومی مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ایک خط میں لکھا کہ میں تو چاہتا تھا کہ تم منٹگمری سے لاہور آؤ لیکن تم نے ع "کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھنچتا جائے ہے مجھ سے !" کے مصداق الٹی زقند لگائی اور کراچی جا پہنچے۔ اتفاق سے انہی دنوں مولانا کی اہلیہ محترمہ کو اپنے حصے کے رقبۂ زمین کا قبضہ ملا تھا جو ضلع شیخوپورہ کے ایک قصبے 'خانقاہ ڈوگراں' کے قریب واقع تھا۔ چنانچہ راقم الحروف نے مولانا کو جواباً تحریر کیا تھا کہ لاہور اگر میں منتقل ہو بھی جاؤں تو کیا حاصل ہوگا —— ہاں اگر آپ بھی رقبے پر منتقل ہو جائیں اور خانقاہ ڈوگراں میں ایک 'قرآنی خانقاہ' قائم کرلیں تو میرا پختہ وعدہ ہے کہ میں بھی وہاں آکر ڈیرہ جما لوں گا ! افسوس کہ مولانا کی مجبوریوں نے انہیں اس کی اجازت نہ دی اور یہ خواب تاحال شرمندہ تعبیر ہی رہا۔ (مدیر)

اگست میں راقم کو اپنا ماہانہ سفر بھی متذکرہ بالا پریشانی کے سبب سے نہایت مختصر رکھنا پڑا۔ چنانچہ صرف کراچی حاضری ہو سکی۔ اور سکھر، رحیم یار خاں، صادق آباد اور ملتان جانا نہ ہو سکا۔ تاہم اس کا احساس اس سبب سے نہیں ہوا کہ جولائی کے سفر میں ان تمام مقامات پہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ کراچی کی تربیت گاہ کے پروگرام کی بنا پر اگست میں حاضری نہیں ہو سکے گی، اب ادھر لاہور کے دس روزہ تربیتی پروگرام سے فراغت ہوئی ہی ہے کہ ماہانہ سفر سر پہ آ گیا ہے۔ اور طبیعت اس کے بوجھ کو محسوس کر رہی ہے بنابریں اس ماہ بھی مجبوراً قدرے اختصار رہے گا اور ستمبر کے سفر میں صادق آباد اور رحیم یار خاں حاضری نہ ہو سکے گی۔ بلکہ صحیح تر الفاظ میں آئندہ راقم کو مستقلاً ہی اپنے سفر میں کسی قدر کمی کرنی ہو گی۔

جولائی کے شمارے میں یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور" کے مؤسسین کا اجتماع ۲۴ اگست کو منعقد ہو گا اور اس میں انجمن کے دستوری خاکے کو آخری صورت دے کر اس کی رجسٹریشن کی درخواست دائر کر دی جائے گی، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ انجمن کے مجوزہ خاکے سے کچھ حضرات خصوصاً راقم الحروف کے بعض مخدوموں اور بزرگوں کو شدید اختلاف ہے۔ بنابریں راقم نے اس اجتماع کو ملتوی کر دیا۔ اور اب اس خاکے کے بارے میں افہام و تفہیم کا سلسلہ جاری ہے۔ انشاء اللہ عنقریب اسے آخری صورت دے دی جائے گی ——— اور پھر جلد ہی انجمن کی باقاعدہ تاسیس اور اس کی رجسٹریشن کا مرحلہ طے کر لیا جائے گا۔ ہمارے بہت سے احباب اور خاص طور پہ انجمن کے مؤسسین یقیناً اس تاخیر و تعویق سے جز بز ہوں گے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ایسے معاملات میں عجلت سے کام لینا اچھا نہیں ——— انشاء اللہ العزیز معاملہ "دیر آید، درست آید" والا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب عزیز کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عنایت کرے اور خلوص و اخلاص اور باہمی محبت و اعتماد کی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ ؏

"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را!"

مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ

کے جو دو خطاب دس روزہ تربیت گاہ کے دوران ہوئے ان کو ٹیپ کر لیا گیا تھا۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں ان دونوں کو شائع کر دیا جائے گا۔

خطوط و نکات

ڈاکٹر عبد اللطیف منہاس
ایم بی بی ایس - ایف آر سی پی

مولانا حسین احمد مدنیؒ اور تحریکِ پاکستان

بسلسلہ

"اعترافِ تقصیر و اظہارِ ندامت"

از قلم پروفیسر یوسف سلیم چشتی

شائع شدہ 'میثاق' جنوری فروری ۷۲ء

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کے مضمون کے ضمن میں اس بات کو پیشِ نظر رکھا جائے کہ بات مولانا حسین احمد صاحبؒ کے تدیّن و تقویٰ اور علم و فضل کی تھی، ان کی زندگی اسوہ صحابہؓ کا نمونہ تھی اور خلف کے لیے قابلِ تقلید، ورنہ جہاں تک اختلافِ رائے کا تعلق ہے، اس کا ہر ایک کو حق ہے، خصوصاً سیاسی مسلک تو کسی درجے میں بھی 'منصوص' نہیں ہو سکتا بلکہ خالص 'اجتہادی' معاملہ ہے!

اس مضمون سے متعلق دو خطوط آ چکے ہیں جو دو مختلف نقطہ ہائے نظر کی ترجمانی کرتے ہیں، اس لیے اس بحث کو اب بند کیا جاتا ہے، قارئین کے لیے یہ بات خالی از دلچسپی نہیں ہوگی کہ اس سلسلہ کے دونوں خطوط دو ڈاکٹروں نے لکھے ہیں ——— ادارہ)

پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی نے مولانا حسین احمد صاحب سے متعلق اپنے مضمون میں جس انداز میں اعترافِ تقصیر کیا ہے، اسے قلبی واردات بالخصوص ذہنی عوامل کے نتیجہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اکثر و بیشتر اُن جیسا مرد ولی اور مجھ جیسا گناہ گار انسان، عمر کے اس دور میں طالبِ مغفرت اور معترفِ عصیان

ہو جاتا ہے، تاکہ اس کی زندگی کا ابر آلود مطلع صاف و شفاف ہو جائے۔ اس عمل سے ذہنی سکون تو ممکن ہے حاصل ہو جائے لیکن اس سے نہ تاریخی حقائق بدل سکتے ہیں، نہ ان کی تلخی میں کمی آسکتی ہے۔ اُس زمانے میں مسلمان اپنی بقا کے لیے دو بڑے طاقتور دشمنوں سے نبرد آزما تھے، یعنی ایک ہندو جو اپنی ہزار سالہ شکستِ پیہم اور غلامی کے انتقام پر کمربستہ تھا اور دوسرے انگریز جس نے ہمیشہ مسلمانوں سے خائف ہو کر انہیں قابل گردن زدنی سمجھا۔

یہ ایک مسلمہ اور ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس وقت کے مستند علمائے کرام اگر مسلمانوں کے اجتماع عظیم کی رہنمائی کرتے تو پاکستان نہ صرف بہت پہلے وجود میں آجاتا بلکہ آج کا پاکستان ایک عظیم تر پاکستان ہوتا۔ اس دور میں یہ کہا جاتا تھا کہ پاکستان بن جانے سے ایک تہائی مسلمان ہندوؤں کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ خدا کا شکر ہے کہ پاکستان بن گیا اور کم از کم دو تہائی مسلمان تو ہندوؤں کے خطرناک عزائم سے بچ گئے، ورنہ اکھنڈ بھارت میں پوری مسلم قوم کو ہندو تہذیب و تمدن میں رفتہ رفتہ ضم ہو کر عقائد اسلامیہ سے ہاتھ دھونے پڑتے، مشاہدہ جس کا شاہد ہے، ماضی کے اوراقِ پارینہ، اسپین اور جنوبی روس کے مسلمانوں کی زبوں حالی کے آئینہ دار ہیں اور ہندوستان کے فسادات پیہم وہاں کے مسلمانوں کے مستقبل کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر عبداللطیف منہاس سیالکوٹی
ایم بی بی ایس، ایف آر سی پی

دو "بقامت کہتر و بے بقیمت بہتر" کتابچے
عام کتابی سائز، عمدہ سفید کاغذ، ٹائپ کی طباعت

(۱) **قرآن اور پردہ**: تالیف: مولانا امین احسن اصلاحی
ضخامت: ۳۲ صفحات۔ قیمت ۶۰/- پیسے

(۲) **قرآن اور امنِ عالم**: تالیف: ڈاکٹر اسرار احمدؒ
ضخامت ۲۶ صفحات: قیمت ۵۰/- پیسے

دونوں کی مجموعی قیمت: ایک روپیہ

دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

صفحہ ۳۳۶ صفحہ ۱۹

تدبر قرآن
مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۃ توبہ

(۸)

۱۹ - الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان، رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ واعدلھم جنٰت تجری تحتھا الانھار خالدین فیھا ابدا، ذٰلک الفوز العظیم - ۱۰۰

اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے گل سرسبد اور اصل سرمایہ کون لوگ ہیں - یہ بتانے سے مقصود ایک طرف تو عام مسلمانوں کے سامنے ان لوگوں کو پیش کر دینا ہے جن کا عمل ان کے لیے مثال اور نمونہ ہے اور جن کی انہیں پیروی اور تقلید کرنی ہے، دوسری طرف منافقین پر یہ واضح کر دینا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قدوسیوں کی اس جماعت میں گھسائے رکھنے کی اب کوشش نہ کریں - اس جماعت میں شامل رہنا ہے تو ان کے رنگ ڈھنگ اختیار کریں ورنہ اپنے انجام سے دوچار ہونے کے لیے تیار رہیں - فرمایا کہ اس امت کا ہراول دستہ مہاجرین و انصار میں سے وہ سابقون اوّلون ہیں جنہوں نے سب سے پہلے نبی کی دعوت پر لبیک کہی، جو اس وقت اسلام کی طرف بڑھے جب ایک قدم بھی اس کی طرف بڑھنا گوناگوں مزاحمتوں کا مقابلہ کیے بغیر ممکن نہ تھا اور جو اس وقت نبی کی حمایت و مدافعت کے لیے اٹھے جب اس کی حمایت و مدافعت تمام احمر و اسود سے لڑائی مول لینے کے ہم معنی تھی -

دوسرے درجے پر وہ لوگ ہیں جو اگرچہ اولیّت و اسبقیت کا درجہ تو حاصل نہ کر سکے تاہم انہوں نے پورے اخلاص اور پوری راست بازی سے سابقین اوّلین کے نقش قدم کی پیروی کی اس پیروی میں انہوں نے

کسی نمائش، کسی مصلحت، کسی غرض یا کسی نوع کے تذبذب اور نفاق کو دخیل نہیں ہونے دیا - ایک مرتبہ بڑھ کر انہوں نے پیچھے مڑنے کا نام نہیں لیا۔ جن کو کٹنا تھا ان کو کاٹا تو اس طرح کہ کوئی تسمہ لگا نہیں رہنے دیا اور جن سے جڑے تو اس طرح نہیں کہ ؎

منہ پھیر کر ادھر کو ادھر کو بڑھا کے ہاتھ

بلکہ اس طرح جڑے کہ ؎

تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اسی خلوص و صداقت اور ظاہر و باطن کی اسی کامل ہم آہنگی اور ہم رنگی کو یہاں 'احسان' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ 'احسان' کے معنی ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ کسی کام کو کمال حسن و خوبی سے انجام دینے کے بھی ہیں -

رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

'رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ' یہ ان سابقین اوّلین کے لیے عظیم بشارت بھی ہے اور ان کی بڑی سے بڑی تعریف بھی جو اس دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہو سکتی ہے فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے - اللہ ان سے اس لیے راضی ہوا کہ وہ اپنے بندوں سے حق کی راہ میں جو صبر و ثبات، جو عزیمت و استقامت، جو جان بازی و سرفروشی چاہتا ہے اس کا انہوں نے حق ادا کر دیا اور انہوں نے اللہ اور رسول سے جو عہد باندھا زندگی کے تمام نشیب و فراز میں، تمام مزاحمتوں اور مخالفتوں کے علی الرغم، پوری خوبی سے اس کو نبھایا، ان کے رب نے ان کو جو قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائیں ان کو انہوں نے درجہ کمال تک پروان چڑھایا اور ان کو اپنے رب ہی کی رضا طلبی میں صرف کیا، شیطان کو ان میں ساجھی بننے کا، اپنے امکان کے حد تک، کوئی موقع نہیں دیا -

نفس مطمئنہ

اللہ سے ان کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کو ہر رنگ میں انہوں نے اس کے عدل، اس کی حکمت اور اس کی رحمت پر محمول کیا۔ ان کو اگر کوئی افتاد پیش آئی تو اس کو انہوں نے اپنی کسی خامی کا علاج سمجھا، کوئی مشکل پیش آئی تو اس کو صبر و عزیمت کا امتحان جانا، سکھ ملا تو دل و جان سے اس کے شکر گزار ہوئے، دکھ ملا تو صابر و مطمئن رہے۔ کسی حال میں اپنی امید کے چراغ کو انہوں نے گل نہیں ہونے دیا۔ طوفان اٹھے، بجلیاں چمکیں بلکہ کبھی کبھی برق خرمن سوز سارے خرمن کو جلا کر خاکستر بھی کر گئی لیکن ان کے نفس مطمئنہ کو کوئی چیز بھی ہلا نہ سکی۔ وہ بدستور 'راضیۃ مرضیۃ' کی چٹان پر جما رہا اور بالآخر اس نے 'فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی' کی ابدی بشارت حاصل کی -

وعد لہم جنات

'واعد لہم جنّٰت تجری' یہ جملہ بیان ہوا ہے اس رضا و اطمینان پر فائز

ہونے کا۔ فرمایا اصل کامیابی یہ ہے۔ جس کو بازی کھیلنی ہو اس کے لیے بازی کھیلے۔ اس چندروزہ دنیا کے پیچھے، جس کی ہر چیز فانی ہے، زندگی برباد کرنا اپنے آپ کو ابدی خسران و نامرادی کے حوالہ کرنا ہے۔

وممن حولکم من الاعراب منافقون ط ومن اهل
مدينة مردوا على النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم ط سنعذبهم
مرتين ثم يردون الى عذاب عظيم ۱۰۱

منافقین کی نشاندہی

یہ منافقین کی نشاندہی ہے۔ فرمایا کہ بدوؤں میں بھی بہت سے منافق ہیں اور اسی طرح اہل مدینہ میں بھی ایک گروہ منافقوں کا ہے۔ یہ لوگ محض اپنے اغراض و مفاد کے لیے مسلمانوں میں گھسے ہوئے ہیں اور نفاق میں یہ اتنے منجھے ہوئے ہیں کہ تمہارے لیے ان کو پہچاننا مشکل ہے، اللہ ہی ان سب سے واقف ہے۔ 'مَرَدَ علی النفاق'، مَرَنَ و استمرّ علیہ۔ یعنی یہ نفاق میں نہایت شاطر، مشاق اور پختہ کار ہو گئے ہیں اور اس مہارت سے انہوں نے اپنے اوپر اسلام کا نمائشی رنگ چڑھا رکھا ہے کہ مسلمانوں کو بڑی کامیابی سے دھوکہ دے دیتے ہیں۔ 'لا تعلمهم نحن نعلمهم' میں مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہے اور ان منافقین کو بھی۔ مسلمانوں کو یہ تنبیہ ہے کہ ان کے معاملے میں بڑی زیرکی و ہوشیاری سے کام لو اور برابر چوکنے رہو، یہ ایسا بھیس بناتے ہیں کہ ہر شخص ان کو تاڑ نہیں سکتا۔ منافقین کو یہ تنبیہ ہے کہ خواہ تم کیسا ہی بھیس بناؤ، دوسرے تمہیں پہچانتے ہیں وہ دھوکا کھا سکتے ہیں، لیکن اللہ تم کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ تم میں سے ہر ایک کو کیفر کردار کو پہنچائے گا۔ 'سنعذبهم مرتين' میں ایک تو اس سزا کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو ملنے والی ہے، دوسرے اس عذاب کی طرف جس سے یہ عالم برزخ میں دوچار ہوں گے۔ 'ثم يردون الى عذاب عظيم' یہ عذاب آخرت کی طرف اشارہ ہے جو سب سے زیادہ سخت ہوگا۔ اوپر اہل ایمان کے لیے 'فوز عظيم' کی بشارت گزری ہے۔ ان منافقین کے لیے یہ عذاب عظیم ہے۔

واخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحا و
اخر سيئا ط عسى الله ان يتوب عليهم ط ان الله غفور
رحيم ○ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها
وصل عليهم ط ان صلوتك سكن لهم ط والله سميع عليم ○
الم يعلموا ان الله هو يقبل التوبة عن عباده و يأخذ
الصدقات وان الله هو التواب الرحيم ○ وقل اعملوا

فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون طوستردون الیٰ
عالم الغیب والشہادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون۔ ۱۰۲-۱۰۵

"واٰخرون اعترفوا بذنوبھم ..... الآیۃ" یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو اگرچہ کمزوریوں میں مبتلا رہے تھے اور تبوک کے موقع پر بھی ان سے کمزوری صادر ہوگئی تھی لیکن ایمان کی رمق ان کے اندر باقی تھی۔ جب اس سورہ نے منافقین کو اچھی طرح جھنجھوڑا اور ان کے علم میں یہ باتیں آگئیں تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہوں نے باتیں بنانے کی کوشش کے بجائے صدق دل سے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا؛ اور نہایت بے چینی کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ اور رسول کے آگے ڈال دیا۔ روایات میں آتا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ تک کیا کہ اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا کہ نہ کچھ کھائیں گے نہ پئیں گے اور نہ اس وقت تک یہاں سے ٹلیں گے جب تک اللہ و رسول کی طرف سے معافی نہ ملے۔ بسا اوقات اپنے گناہوں پر بندے کی شرمساری اور توبہ کے لیے سچی بے قراری اللہ تعالےٰ کو اس کی نیکی سے بھی زیادہ پسند آتی ہے۔ چنانچہ ان کا اعتراف گناہ اللہ تعالےٰ کو پسند آیا اور جیسا کہ "عسی اللہ ان یتوب علیھم" کے الفاظ سے واضح ہے ان کو قبولیت توبہ کی امید دلا دی گئی۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ جب قرآن دنیا میں آیا ہے تو اس کے الفاظ و کلمات کا دلوں پر کیا اثر پڑتا تھا اور اب ہمارے دلوں پر اس کی تاثیر کا کیا حال ہے؟ قرآن وہی ہے اور نفاق کی بھی بدتر سے بدتر قسمیں ہمارے اندر موجود ہیں لیکن قلوب وہ نہیں ہیں جو قرآن کی آیتیں پڑھ کر یہ اثر لیں کہ اپنے اوپر خواب و خور حرام کرلیں۔ اس زمانے میں اپنی تنخواہوں میں چند روپے کے اضافہ کے لیے فاقہ کرنے والے بہتیرے مل جائیں گے لیکن اپنے گناہوں کے غم میں اپنی ایک رات کی نیند بھی قربان کرنے والے شاید کم ہی ملیں۔

"خلطوا عملاً صالحا واٰخر سیئا" جو چیز ان کے حق میں سفارش بنی ہے، یہ اس کا بیان ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ نفاق ہی پر نہیں پلے اور بڑھے بلکہ بدیوں کے ساتھ انہوں نے نیکیاں بھی کمائی ہیں۔ نیکی کی راہ پر چلتے چلتے انہوں نے ٹھوکریں بھی کھائیں لیکن اس طرح نہیں کہ گر کر پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیا ہو، بلکہ گرنے کے بعد اٹھتے اور سنبھلتے بھی رہے ہیں۔ یہی چیز ان کے لئے اعتراف گناہ اور توبہ کا باعث ہوئی ہے اس وجہ سے یہ نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں بلکہ اللہ کی نظر عنایت کے سزاوار ہیں۔

"عسی اللہ ان یتوب علیھم ان اللہ غفور رحیم" یہ ان کے لیے قبولیت توبہ اور رحمت کی بشارت ہے لیکن اسلوب بیان قطعی وعدے کا نہیں بلکہ لفظ "عسیٰ" ظاہر کر رہا ہے کہ یہ بشارت مشروط ہے۔ چنانچہ آگے والی آیت میں اس شرط کی طرف اشارہ بھی فرما دیا ہے:
"وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمومنون .... الآیۃ"

یعنی ان سے کہہ دو کہ اب تم اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم اپنی توبہ میں راسخ ہو، اللہ اور رسول اور اہل ایمان تمہارے رویہ کو دیکھیں گے اور اسی رویہ پہ تمہارے باب میں آخری فیصلہ کا انحصار ہے۔ اس سے یہ بات نکلی کہ بروقت تو ان لوگوں کو معافی دے دی گئی لیکن اس شرط پہ کہ وہ اپنے رویہ کو آئندہ زیادہ سے زیادہ اللہ اور رسول اور اہل ایمان کی پسند کے مطابق بنانے کی کوشش کریں۔ یہ گویا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان پہ احتساب بھی قائم رہے گا تا آنکہ یہ اپنے عمل سے اپنے آپ کو پورے اعتماد کے لائق ثابت کر دیں۔

صدقہ وزکوٰۃ تزکیہ کا ذریعہ

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم ان صلوتك سكن لهم والله سميع عليم ۱۰۳

پیچھے آیات ۵۳، ۵۴ سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اس مرحلہ میں آ کر منافقین کے صدقات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل بے پروائی برتنے کی ہدایت فرما دی گئی تھی چنانچہ بعض کے صدقات آپ رد بھی فرما دیتے تھے۔ اسی طرح آیت ۸۴ میں آپ کو ان کے لیے دعا و استغفار سے بھی منع فرما دیا گیا تھا۔ لیکن جن لوگوں کو معافی دے دی گئی ان کے لئے ساتھ ہی برکت اور رحمت کے یہ دونوں دروازے بھی کھول دیئے گئے۔ فرمایا کہ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها وصل عليهم، ان لوگوں کے پیش کردہ صدقات قبول کر لیا کرو اس لیے کہ اسی سے تم ان کو رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ کرو گے اور ان کے لیے دعا بھی کرتے رہو اس لیے کہ تمہاری دعا ہی ہے جو ان کے لیے سرمایۂ سکینت بنے گی۔

تطہیر اور تزکیہ

یہاں تطہیر اور تزکیہ کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ قرآن میں ان دونوں کے مواقع استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ 'تطہیر' میں غالب پہلو ظاہری اور باطنی نجاستوں اور رذائل سے پاک کرنے کا ہے اور 'تزکیہ' میں رذائل سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ صلاحیتوں اور خوبیوں کو نشوونما دینے اور فضائل اخلاق سے آراستہ کرنے کا مفہوم بھی شامل ہے۔

مرض نفاق کا موثر علاج

اس ٹکڑے سے ایک حقیقت تو یہ واضح ہوئی کہ نفاق کی بیماری کا سب سے زیادہ موثر علاج اللہ کی راہ میں انفاق ہے۔ یہ بیماری اصلاً محبت دنیا سے پیدا ہوتی ہے جو ان تمام رذائل کے پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے جن کے مجموعے کا نام نفاق ہے۔ انفاق سے اس بیماری کی جڑ کٹتی ہے اور جب اس کی جڑ کٹ جاتی ہے تو ایک طرف رذائل مضمحل ہو جاتے ہیں، دوسری طرف مکارم و فضائل پروان چڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔

انفاق کا اصل فائدہ انفاق کرنے والوں ہی کو حاصل ہوتا ہے

دوسری حقیقت یہ واضح ہوئی کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں وہ اللہ اور رسول پہ کوئی احسان نہیں کرتے بلکہ اصل احسان اللہ اور رسول کا ہے کہ ان کے انفاق کو قبول فرماتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے جو تطہیر و تزکیہ حاصل ہوتا ہے اس کے محتاج اللہ اور رسول نہیں ہیں بلکہ وہی لوگ ہیں جن کو انفاق کی دعوت دی جاتی ہے۔

معافی یافتہ لوگوں کی نماز جنازہ کی اجازت

'صلّ علیہم' میں عام دعا و استغفار کے ساتھ ساتھ نماز جنازہ بھی شامل ہے۔ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے کی جو ممانعت آیت ۸۴ میں وارد ہے، ان معافی یافتہ لوگوں کے باب میں وہ ممانعت اٹھا دی گئی۔

تسلی اور تنبیہ

'واللہ سمیع علیم' میں تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ اس کی وضاحت ایک سے زیادہ مواقع میں ہو چکی ہے۔

توبہ اور انفاق کی ترغیب

'الم یعلموا ان اللہ ... الآیۃ' اوپر والی آیت میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ آپ کو یہ ہدایت فرمائی گئی تھی کہ جب انھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے تو ان کو اپنی تربیت میں از سر نو لے لو، ساتھ ہی جو چیز ان کی تربیت و اصلاح میں سب سے زیادہ موثر ہو سکتی تھی اس کی طرف بھی رہنمائی فرما دی۔ اس آیت میں خود ان لوگوں کو توبہ اور انفاق میں سرگرم ہونے پر ابھارا ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ اور ان کے صدقات قبول فرماتا ہے، وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے، تو جو خدا کی رضا اور قرب کے طالب ہوں انھیں چاہیے کہ وہ خدا کی پسند کے یہ کام زیادہ سے زیادہ کریں۔ اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ توبہ اور اصلاح کا کام کوئی وقتی کام نہیں ہے بلکہ اس میں دوام اور استمرار مطلوب ہے۔

آخرت کی یاد دہانی

'وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم' یہ ان لوگوں کو تنبیہ ہے کہ ہر چند اس وقت تمھیں معافی دے دی گئی ہے لیکن اس معافی پر مطمئن ہو بیٹھنا بلکہ آئندہ اپنے عمل سے ثابت کرو کہ تم سچے دل سے خدا کی طرف رجوع ہوئے ہو۔ اللہ اور رسول اور اہل ایمان سب تمہارے رویہ پر نگاہ رکھیں گے۔
'وستردون الی عالم الغیب والشہادۃ' اگر تم رسول اور مومنین سے اپنی کوئی حرکت چھپا رکھنے میں کامیاب بھی ہو گئے تو یاد رکھو کہ ایک دن تمھیں سارے غائب و حاضر کے علم رکھنے والے خدا کے سامنے بھی حاضر ہونا ہے، وہ تمہارا سارا کچا چٹھا تمہارے آگے رکھ دے گا۔

وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۱۰۶

ادجاء کے معنی کسی معاملے کو مؤخر اور ملتوی کرنے کے ہیں۔

بعض لوگوں کے ساتھ خاص معاملہ

بعض لوگوں نے اگرچہ اپنے گناہ کا نہایت سچائی سے اعتراف کر لیا تھا لیکن ان کو اس وقت معافی نہیں ملی بلکہ ان کے معاملے کا فیصلہ آئندہ پر اٹھا رکھا گیا۔ آگے آیت ۱۱۸ میں ان کا حوالہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین آدمی تھے۔ روایات میں ان کے نام کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع مذکور ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ حضرات نفاق میں متہم نہیں تھے بلکہ اسلام کے لیے قربانیاں پیش کرنے والے لوگوں میں سے تھے، پچھلے غزوات میں بھی شریک رہ چکے تھے، لیکن تبوک کے موقع پر ان سے کمزوری صادر ہوگئی اور بعض خاص وجوہ کی بنا پر، جن کی طرف ہم آگے اشارہ کریں گے، دوسروں کے مقابل میں ان پر زیادہ گرفت ہوئی۔ فرمایا کہ ان کا معاملہ خدا کے فیصلے تک ملتوی کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان کو سزا دے گا، چاہے گا تو ان کی توبہ قبول فرمائے گا، اللہ علیم و حکیم ہے۔ ان کے باب میں اس کے علم و حکمت کا جو تقاضا ہوگا وہ اس کے مطابق فیصلہ نافذ فرمائے گا۔

شدت عتاب کی وجوہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر، جب کہ بظاہر ان کا ماضی بے داغ بھی تھا، اس قدر عتاب کیوں ہوا؟ ہمارے نزدیک اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔

عتاب بطور اعتماد

ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کسی پر عتاب اس نسبت سے ہوتا ہے جس نسبت سے اس پر اعتماد اور اس سے حسن ظن ہوتا ہے۔ دوسروں نے اگر غلطی کی تو ان کی کمزوریوں کی بنا پر ان سے بعید نہیں تھی لیکن ان لوگوں نے جو غلطی کی اس سے اپنے پچھلے بے داغ ریکارڈ کو بھی انہوں نے داغدار کیا اور پیغمبرؐ کے اس اعتماد اور حسن ظن کو بھی ٹھیس پہنچائی جو ہر مومن کا سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔

احساس کی کمی

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں نے غالباً اس اعتماد کی بنا پر جو انہیں اپنی سابق خدمات پر رہا ہوگا، اپنی اس غلطی کا اس شدت کے ساتھ احساس بھی نہیں کیا جس شدت کے ساتھ انہیں اس کا احساس کرنا تھا۔ چنانچہ آگے والی آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اپنی کسی غلطی پر احساس ندامت کی کمی توبہ کی اصل روح کے منافی ہے اس وجہ سے حکمت تربیت مقتضی ہوئی کہ ان کی توبہ کی قبولیت اتنے عرصہ تک ملتوی رہے جب تک ان کے اندر وہ بے قراری اور دل کی وہ خستگی و شکستگی نہ پیدا ہو جائے جو توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ کی بارگاہ میں سفارشی بنتی ہے۔

منافقانہ ذہنیت پر آخری ضرب

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس مرحلہ میں، جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں، منافقانہ ذہنیت پر آخری ضرب لگائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ نفاق کے خلاف مسلمانوں کی حس اتنی بیدار ہو جائے کہ وہ اس کی کسی قسم کو بھی اپنے اندر گوارا کرنے پر راضی نہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے ایسے لوگوں پر گرفت سب

سے زیادہ مؤثر ہو سکتی تھی جو اپنی اس غلطی سے پہلے معاشرہ کے بے داغ لوگوں میں شمار ہوتے رہے ہوں۔ اس واقعہ نے منافقین کی آنکھیں بھی کھول دی ہوں گی کہ جب اس قسم کے لوگوں پر ایسی گرفت ہو سکتی ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد۔ اور دوسرے مسلمانوں نے بھی اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ دین میں اصل معیار مطلوب کیا ہے جس کی کسوٹی پر کسے جانے کے لیے ہر مسلمان کو تیار رہنا چاہیئے۔

یہاں ان اشارات پر کفایت کیجئے آگے اس بحث کے بعض دوسرے گوشے بھی سامنے آئیں گے۔

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین
وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل ؕ ولیحلفن
ان اردنا الا الحسنیٰ ؕ واللہ یشھد انھم لکاذبون ○ لا تقم فیہ
ابدا ؕ لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم
فیہ ؕ فیہ رجال یحبون ان یتطھروا ؕ واللہ یحب المطھرین۔ ۱۰۷-۱۰۸

منافقین کا سب سے زیادہ شریر گروہ

یہ منافقین کے سب سے زیادہ شریر گروہ کا ذکر ہے ان لوگوں کی جس شرارت کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مدینہ میں دو مسجدیں پہلے سے موجود تھیں، ایک مضافات شہر میں مسجد قباء دوسری شہر کے اندر مسجد نبوی ﷺ۔ لیکن انہوں نے اپنے مفسدانہ اغراض کے لیے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی ایک الگ مسجد بنائی۔ مقصود تو ان کا یہ تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں وہ کرنا چاہتے ہیں اس کے لیے ایک اڈا مہیا کریں لیکن اس کو نام مسجد کا دیا تاکہ اس طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر اپنی دینداری کی دھونس بھی جمائیں اور اپنے مقاصد بھی پورے کر سکیں۔ اس کو مسلمانوں کی نظروں میں مقبول اور مقدس بنانے کے لیے انہوں نے یہ کوشش بھی کی کہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز پڑھ دیں تاکہ اس کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں وہی احترام حاصل ہو جائے جو مسجد قبا کو حاصل ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اغراض مشومہ بھانپ کر پہلے تو ان کو ٹال دیا پھر جب اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہو گئیں تو اس میں نماز پڑھنا تو الگ رہا آپ نے تبوک سے واپسی پر اس کو گروا بھی دیا۔

اس نام نہاد مسجد کی تعمیر جن اغراض فاسدہ کے لیے ہوئی تھی قرآن نے ان سے پردہ اٹھایا ہے اس کی پہلی غرض یہ بتائی ہے کہ ’ضرار‘ کے لئے بنائی گئی ہے یعنی اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے۔ مسجد، اقامت نماز اور اقامت دین کا مرکز ہوتی ہے، لیکن یہ دام ہمرنگ مسجد اس لئے بچھایا گیا تھا کہ مسلمان اس میں پھنسیں اور پھر ان کے اندر آہستہ آہستہ نفاق کا زہر اتار اجائے۔

دوسرا مقصد اس کا 'کفر' بتایا ہے۔ یعنی جو کفران کے اندر رچا بسا ہوا تھا اس کی پرورش اور اس کی تائید و تقویت کے لیے ایک پرورش گاہ بنائی گئی تھی۔ مسجد ایمان کی تربیت گاہ ہوتی ہے لیکن یہ نام نہاد مسجد اس کے بالکل برعکس کفر کی خدمت کے لیے تعمیر کی گئی۔

تیسرا مقصد اس کا 'تفریقا بین المومنین' بتایا ہے یعنی اس غرض سے بنائی گئی کہ مسلمانوں کے شیرازے کو پراگندہ کیا جائے۔ اسلام میں مسجد ہی ہے جو مسلمانوں کو ایک سلک میں پروتی اور ان کی اجتماعی زندگی میں وحدت و تالیف پیدا کرتی ہے۔ ان منافقین نے یہ چاہا کہ ایک مسجد بنا کر پہلے مسلمانوں کو اس کی طرف کھینچیں اور پھر اپنی وسوسہ اندازیوں سے ان کو ملت سے کاٹ دیں۔

چوتھا مقصد اس کا 'ارصاد لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل' بتایا گیا ہے یعنی یہ ان لوگوں کے لیے ایک کمین گاہ کا کام دے جو اللہ اور رسول سے برسرپیکار رہ چکے ہیں۔ ان منافقین کے متعلق یہ بات پیچھے واضح ہو چکی ہے کہ ان کی تمام ہمدردیاں اسلام سے برسرپیکار طاقتوں کے ساتھ تھیں۔ یہ رات دن انہی کی کامیابی کے متمنی اور مسلمانوں کے اندر انہی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اس مرحلے میں آکر انہوں نے یہ سوچا کہ مسجد کے نام سے اپنا ایک اڈا بھی بنا لیں تاکہ ان کی معاندانہ سرگرمیوں پر پردہ بھی پڑا رہے اور اس پردے میں وہ مسلمانوں کے عین مستقر میں اسلام کے دشمنوں کے لیے ایک کمین گاہ بھی فراہم کر دیں۔

منافقین کی جھوٹی قسمیں

'ولیحلفن ان اردنا الا الحسنیٰ ط واللہ یشھد انھم لکاذبون' یعنی اس نام نہاد مسجد کی تعمیر سے مقاصد تو وہ پیش نظر ہیں جو مذکور ہوئے لیکن یہ منافقین تمہیں قسمیں کھا کھا کے اطمینان دلانے کی کوشش کریں گے کہ یہ کام انہوں نے محض اسلام اور مسلمانوں کی بہبود پیش نظر رکھ کر کیا ہے کہ عبادت کے لیے ایک مسجد کا اضافہ ہو جائے، اللہ کے ذکر اور اس کی بندگی کا ایک گھر تعمیر ہو جائے۔ جو مسلمان اندھیری راتوں، یا سردی اور بارش میں، مسجد قبا کی دوری کے سبب سے، جماعت کی حاضری سے محروم رہ جاتے ہیں، ثواب جماعت سے محروم نہ رہیں۔ فرمایا کہ یہ قسمیں کھا کھا کے تمہیں یقین دلائیں گے لیکن اللہ بھی قسمیں کھاتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ 'واللہ یشھد' کے الفاظ قسم کے مفہوم میں آتے ہیں۔

حذف خبر کی ایک مثال

اس آیت سے متعلق ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اس میں خبر مذکور نہیں ہے۔ مفسرین نے عام طور پر تاویل یوں کی ہے کہ اوپر جن منافقین کا ذکر ہوا ہے انہی منافقین کے زمرے میں یہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے مسجد ضرار بنائی لیکن اس بات سے صرف حرف عطف کی توجیہہ سامنے آتی ہے خبر کا مسئلہ اس سے حل

نہیں ہوتا۔ میرے نزدیک یہاں خبر محذوف ہے۔ عربی زبان میں بعض اوقات شدّت غضب کے مواقع میں خبر محذوف ہوجاتی ہے۔ گویا متکلم کی شدّت لہجہ خود خبر کی قائم مقام بن جاتی ہے۔ اس کی نہایت عمدہ مثالیں انشاء اللہ آخری گروپ کی سورتوں کی تفسیر میں آئیں گی۔

سازش کی ناکامی

'لا تقم فیہ ابدا ..... الآیۃ' منافقین نے یہ فتنہ کھڑا کرنے کو تو کھڑا کر لیا لیکن اس کی کامیابی کا انحصار اس امر پر تھا کہ اس کے افتتاح کے لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لانے میں کامیاب ہوجاتے لیکن اس کوشش میں، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کرچکے ہیں، وہ کامیاب نہ ہوسکے پہلے تو حضورؐ نے ان کی بات ٹال دی، بعد میں سفر تبوک کے دوران ہی میں یہ آیتیں اتریں جن سے ان کی ساری سازش بے نقاب ہوگئی۔ اور آپؐ کو اس نام نہاد مسجد میں نماز تو درکنار کھڑے ہونے سے بھی روک دیا گیا۔ اگرچہ شدت لہجہ کا رخ حضورؐ کی طرف نہیں بلکہ بالواسطہ منافقین کی طرف ہے۔

مسجد قبا اور مسجد ضرار کی نوعیت

'لمسجد اسس علی التقوٰی' سے مراد، قرینہ دلیل ہے، مسجد قبا ہے اس لیے کہ مسجد ضرار اسی کے توڑ پر بنائی گئی تھی۔ منافقین نے تو اس کا توڑ کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس تعریف سے اس کو اور اس کے نمازیوں کو زندہ جاوید کردیا۔ فرمایا کہ وہ مسجد جس کی بنیاد روز اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے تمہارے قیام کی اصل حقدار وہ ہے نہ کہ وہ جس کی بنیاد ضرار، کفر، تفریق ملت اور سازش پر رکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس کے نمازیوں کی تعریف فرمائی کہ وہ ظاہر و باطن کی پاکیزگی کو عزیز رکھتے ہیں اور اللہ ایسے ہی پاکیزہ لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔ اس میں مسجد قبا کے نمازیوں کی تعریف کے ساتھ مسجد ضرار کے مفسدین پر تعریض بھی ہے کہ ان کا ظاہر و باطن دونوں گندا ہے اور جب اللہ کے نزدیک وہ مبغوض ہیں تو تمہارا ان سے اور ان کی اس نام نہاد مسجد سے کیا تعلق؟

'افعل' کا مخصوص استعمال

یہاں 'احقّ' کا لفظ ہے جس سے گمان ترجیح و تفضیل کی طرف جاتا ہے لیکن کلام عرب اور قرآن میں ایسی مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ 'افعل' بعض مرتبہ نسبت اور تقابل سے مجرد ہوکر استعمال ہوتا ہے۔ کسی موزوں مقام پر ہم اس کی مثالیں پیش کریں گے۔

مسجد کی بنیاد تقویٰ پر ہونی چاہیے

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ مسجد کی بنیاد در اصل زمین پر نہیں بلکہ بانیوں کے دلوں پر قائم ہوتی ہے۔ اگر بانیوں کے دلوں میں تقویٰ ہو اور وہ اس تقویٰ پر مسجد کی بنیاد رکھیں تب تو وہ مسجد ہے۔ اگر دلوں میں شر و فساد ہو تو وہ مسجد نہیں بلکہ بیت خانہ ہے جو اپنے بانیوں اور پجاریوں سمیت، جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہوگا، ایک دن جہنم میں جا گرے گا۔

افمن اسس بنیانه علی تقوی من الله ورضوان خیر ام من اسس بنیانه علی شفا جرف هار فانهار به فی نار جهنم والله لا یهدی القوم الظالمین ؟ ۱۰۹

شفا — "شفا" کسی چیز کے کنارے اور اس کی دھار کو کہتے ہیں۔

جرف — "جرف" ندیوں، نالوں اور وادیوں میں دیکھا ہوگا کہ بعض اوقات پانی کا زور کسی کنارے کے نیچے سے ساری مٹی بہالے جاتا ہے، اوپر چھجے کی طرح صرف کنارہ لٹکا رہ جاتا ہے۔ اس طرح کی کھوکھلی اور بے ثبات کگر کو عربی میں "جرف" کہتے ہیں۔

ھار — "ھار" ھار، یھور، ھورا سے ہے۔ "ھار البناء" کے معنی عمارت پھٹ کر مائل بہ سقوط ہے۔ اسی سے فاعل "ھائر" بھی آتا ہے اور قلب ہو کر "ھار" بھی آتا ہے جس طرح "شائک السلاح" اور "شاکی السلاح" دونوں آتا ہے۔

فوز و فلاح صرف تقویٰ پر مبنی عمل کا حصہ — یہ تفصیل بیان ہوئی ہے ان لوگوں کی جو اپنے عمل کی بنیاد تقویٰ اور رضائے الٰہی کے بجائے کسی غرض فاسد پر رکھتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنی عمارت ایک کھوکھلی، گرتی ہوئی کگر پہ بنائے جو بالآخر اس کے سمیت جہنم میں جا گرے۔ ثبات و قرار اور اخروی فوز و فلاح صرف اسی عمل کے حصہ میں ہے جو اللہ کی خوشنودی کے لیے اللہ کے احکام کے مطابق کیا جائے۔

ہدایت کا مفہوم — "واللہ لا یھدی القوم الظالمین" ہدایت یہاں غایت و مقصود کی ہدایت کے معنی میں ہے۔ یعنی اپنی جانوں پر اس طرح ظلم کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بامراد و فائز المرام نہیں کرے گا۔ یہ نامراد ہی رہیں گے۔

دلوں کے ساتھ ہی جانے والا روگ — "لا یزال بنیانھم الذی بنوا ریبۃ فی قلوبھم الا ان تقطع قلوبھم، واللہ علیم حکیم" یعنی یہ نام نہاد مسجد بنا کر ان منافقین نے اپنے دلوں کے اندر نفاق کی جڑ اتنی مستحکم کر دی ہے کہ اب یہ ان کے دلوں کے ساتھ ہے۔ ان کا نفاق اس طرح ایک ایک رگ میں اپنی جڑ جما چکا ہے کہ اب اس کو اکھاڑنا دلوں کے پاش پاش ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ جس طرح ہم اپنے محاورے میں کہتے ہیں یہ داغ تو اب کپڑے کے ساتھ ہی جائے گا، اسی طرح "الا ان تقطع قلوبھم" تعلیق بالمحال کا ایک خوبصورت پیرایہ بیان ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل عمل کے اثرات و نتائج میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یوں تو نفاق کا ہر عمل اپنے اندر زہریلے اثرات رکھتا ہے لیکن مسجد ضرار جیسا فتنہ کھڑا کر دینا ایک ایسا عمل ہے جس کے نتائج و اثرات سے جان چھڑانے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا۔ یہ رگ و پے میں جاری و ساری ہو

جاتا ہے۔

" ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ط یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون قف وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ط ومن اوفی بعھدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ و ذالک ھو الفوز العظیم " ۱۱۱

نبی کے ہاتھ پر بیعت کے مقتضیات

اب یہ حقیقت واضح کی جا رہی ہے اس بیعت کی جو نبی کے ہاتھ پہ کی جاتی ہے اور جس میں ہر مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کر کے شامل ہوتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار سے یہاں مقصود اس بیعت کے مقتضیات کو ہر مسلمان کے سامنے رکھ دینا ہے تاکہ ہر شخص اس کی روشنی میں خود فیصلہ کر سکے کہ اس عہد کے تقاضے کیا ہیں اور کونسا رویہ اس کے منافی ہے جو نفاق اور کفر میں داخل ہے۔

انسان کا سب سے بڑا شرف

فرمایا کہ یہ بیعت اللہ اور اہل ایمان کے درمیان بیع و شرا کا ایک معاہدہ ہے جس میں اہل ایمان اپنے مال اور اپنی جان اللہ کے حوالے کرنے کا اقرار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں ان کے لیے جنت کا وعدہ فرماتا ہے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ انسان کو سب سے بڑا شرف جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہونے کے باوجود یہ درجہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بیع و شرا کا ایک معاہدہ کرتا ہے جس میں وہ اپنے اوپر بھی اسی طرح ایک ذمہ داری لیتا ہے جس طرح بندوں پہ ایک ذمہ داری ڈالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا یہ شرف مبنی ہے اس بات پہ کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص دائرے کے اندر اس کو اختیار بخشا ہے اور یہ چاہا ہے کہ انسان اپنی مرضی سے اپنے مال و جان پہ اللہ کے حق کو تسلیم کرے اور پھر اس کے عوض میں جنت کا ابدی مقام حاصل کرے۔

جان و مال دونوں سے جہاد

" یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون و یقتلون " یعنی اس معاہدہ بیع و شرا کے بعد کوئی راست باز مسلمان اپنے مال یا اپنی جان کو خدا سے چرانے کا روادار نہیں ہو سکتا چنانچہ وہ اللہ کی راہ میں مال اور جان دونوں سے جہاد کرتے ہیں اور اس راہ میں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ اگر مارتے ہیں تو غازی اور مجاہد کا درجہ حاصل کرتے ہیں اور مرتے ہیں تو شہید کا مقام پاتے ہیں۔

قربانی کے عوض جنت کا وعدہ

وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن ۔ یعنی جان و مال کی قربانی کے عوض جنت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہے اور اس کا اظہار و اقرار تورات انجیل اور قرآن سب میں ہے۔ یہ تمام آسمانی مذاہب اور خدائی صحیفوں کی ایک مسلمہ اور مشترکہ حقیقت ہے۔ مثلاً تورات میں ہے۔

"سن اے اسرائیل، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ"۔
استثنا ۶: ۴-۵

انجیل میں ہے۔

"جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا" متی ۱۹: ۲۹

انجیلوں میں جنت کی تعبیر بالعموم آسمانی بادشاہت سے کی گئی ہے۔ تورات میں یہود نے اپنے حرص دنیا کے سبب سے تمام اخروی انعامات کو دنیوی انعامات سے بدل دیا ہے تاہم انبیاء کی تعلیمات میں بکثرت ابدی زندگی کے ابدی انعامات کا ذکر موجود ہے۔

چند روزہ حیات کے بدلے ابدی زندگی کی بادشاہی

ومن اوفی بعہدہ من اللہ فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم بہ وذالک ھو الفوز العظیم ۔ یہ اظہار کیا ہے اللہ کی راہ میں بے خوف و خطر جان و مال کی قربانیاں پیش کرنے پر۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے تو جو سودا تم اس کے ساتھ کر چکے ہو اس پر تمہیں باغ باغ ہونا چاہیئے۔ خدا کے ہاتھ جو بیچ چکے ہو وہ اس کی طلب پر اس کے حوالے کرو اور جو کچھ اس کے عوض میں تمہیں ملنا ہے اس کے لیے تیار رہو۔ اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ خدا کی جنت بڑی چیز ہے۔ یہ کوئی خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ چند روزہ حیات کے بدلے ابدی زندگی کی بادشاہی ہے۔

التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المومنین ۔ ۱۱۲

اوپر آیت ۱۰۷ میں جس طرح خبر محذوف ہے اسی طرح اس آیت میں بھی محذوف ہے۔ زجاج کی رائے یہی ہے اور یہ رائے مجھے قوی معلوم ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ زور کلام خبر کو خود ظاہر کر دیتا ہے

اگرچہ وہ لفظوں میں ظاہر نہیں ہوتی۔ یہاں موقع کلام ظاہر کرتا ہے کہ جن کی صفات یہ یہ ہیں وہی لوگ سچے مومن ہیں، ان مومنین کو خوش خبری پہنچا دو۔

سیاحت کا مفہوم

اس آیت میں جو الفاظ آئے ہیں 'سائحون' کے سوا ان میں سے ہر لفظ کی تحقیق اپنے اپنے محل میں بیان ہو چکی ہے۔ 'سائحون' کے ترجمے میں مجھے بڑی مشکل پیش آئی ہے۔ 'ساح یسیح' کے معروف معنی تو زمین پر چلنے پھرنے کے ہیں چنانچہ اسی سورہ کی دوسری ہی آیت میں 'فسیحوا فی الارض اربعة اشهر' آیا ہے لیکن یہاں جس سیاق و سباق میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لغوی سیاحت کے مفہوم میں نہیں بلکہ اصطلاحی سیاحت کے مفہوم میں آیا ہے۔ لفظ 'سیاحت' قدیم زمانے سے اہل دین کی ایک اصطلاح ہے جس کا مفہوم صاحب لسان نے یوں ادا کیا ہے 'الذهاب فی الارض للعبادة والتزهب' عبادت و ریاضت کے لیے کسی سمت کو نکل کھڑے ہونا۔ اسلام سے پہلے اکثر مذاہب میں عبادت کے پہلو سے اس بات کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے کہ آدمی گھر در، بیوی بچوں اور دنیا کے ہنگاموں سے الگ ہو کر جنگلوں، پہاڑوں اور سنسان جگہوں میں نکل جائے، اپنا سارا وقت دھیان گیان، ذکر و عبادت، چلہ کشی اور ریاضت میں گزارے، قوت لایموت پر قناعت کرے، بھوک چاہیں ستائے تو جنگل کے پھل پھلاری اور ندیوں چشموں کے پانی پر گزارہ کرے۔ عیسائیوں کے راہبوں، گوتم بدھ کے بھکشوؤں اور ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کا محبوب طریقۂ عبادت یہی رہا ہے۔ یہ لوگ اگر خلق کی طرف متوجہ بھی ہوتے تھے تو اس طرح کہ صبح کسی بستی میں اور شام کسی بستی میں، جہاں پہنچے نیکی اور پرہیزگاری کے چند کلمے لوگوں کے کانوں میں ڈالے اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ اسی درویشانہ اور راہبانہ زندگی کے لئے قدیم اصطلاح سیاحت کی ہے۔

اسلام میں سیاحت کی حد

اس سیاحت کا جتنا حصہ رہبانیت کے حکم میں داخل ہے وہ تو اسلام میں ممنوع ہے اس لئے کہ اسلام دین فطرت ہے اور رہبانیت فطرت کے خلاف ہے لیکن اس کا جو حصہ زہد و توکل، ذکر و فکر، خلوت و تبتل، ریاضت و مجاہدہ، جستجوئے حقیقت، طلب علم اور دعوت الی اللہ و جہاد فی سبیل اللہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اسلام میں بھی مطلوب و مطبوع ہے اور اس کو اسلام نے روزہ، اعتکاف، عمرہ، حج اور جہاد میں سمو دیا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے ہاں سیاحت کے باب میں نفی اور اثبات دونوں طرح کی باتیں ملتی ہیں۔ ایک طرف یہ ارشاد ملتا ہے کہ 'لا سیاحة فی الاسلام' (اسلام میں سیاحت نہیں ہے) دوسری طرف یہ چیز بھی ملتی ہے کہ 'سیاحة هذه الامة الصیام ولزوم المساجد' (اس امت کے لیے سیاحت روزے اور مسجدوں کے ساتھ وابستگی ہے) ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک

شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سیاحت اختیار کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ نے فرمایا "سیاحۃ امتی الجہاد فی سبیل اللہ" (میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ سیاحت کا جو حصہ رہبانیت کی تعریف میں آتا ہے وہ تو اسلام نے اپنے نصاب سے خارج کر دیا ہے لیکن اصل مقصد سیاحت اسلام میں بھی باقی ہے اور روزہ، اعتکاف، ہجرت، جہاد، دعوت و تبلیغ اور طلب علم و حصول تربیت کے لیے سفر، یہ سب چیزیں اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ یہ سیاحت جس طرح مردوں کے لیے ہے اسی طرح، جیسا کہ سورہ تحریم کے لفظ 'سائحات' سے واضح ہے، عورتوں کے لیے بھی ہے، البتہ عورتیں ان چیزوں سے مستثنیٰ رہیں گی جن سے شریعت نے ان کو مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً قتال وغیرہ۔

عام طور پر ہمارے مترجموں نے اس کا ترجمہ 'روزہ رکھنے والے' یا 'راہ خدا میں پھرنے والے' یا 'بے تعلق رہنے والے' کیا ہے لیکن ان ترجموں سے سیاحت کا صرف ایک ایک پہلو سامنے آتا ہے۔ درآنحالیکہ اس کے متعدد پہلو ہیں۔ میں نے 'ریاضت کرنے والے' ترجمہ کیا ہے۔ اگرچہ میں اس پر پوری طرح مطمئن نہیں ہوں لیکن میرے نزدیک یہ ترجمہ نسبتہً لفظ کی روح سے قریب تر اور اس کے کل نہیں تو اکثر اطراف کا جامع ہے والعلم عند اللہ۔

منافقین کے سامنے ایک آئینہ

اوپر والی آیت میں بیعت ایمان و اسلام کی حقیقت واضح فرمائی تھی۔ اس آیت میں اہل ایمان کا اصلی کردار پیش کیا جا رہا ہے اور مقصود اس سے منافقین کے سامنے ایک آئینہ رکھ دینا ہے تاکہ وہ چاہیں تو اس آئینہ کو سامنے رکھ کر اپنے کو سنوار سکیں۔

توبہ

یہاں اہل ایمان کے کردار کے جو اجزا بیان ہوئے ہیں ان میں سب سے پہلے توبہ کا ذکر ہے۔ توبہ کے معنی رجوع الی اللہ کے ہیں۔ خدا کی بندگی اور اطاعت کی راہ میں بندے کا پہلا قدم یہی ہے کہ وہ شیطانی راہوں میں ہرزہ گردی چھوڑ کر اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے اور اس کی صراط مستقیم پر چلنے کا عزم کرتا ہے۔ پھر یہی توبہ ہے جو ہر گام پر اس کو سنبھالتی ہے۔ جب کبھی اس کا کوئی قدم راہ سے بے راہ ہو جاتا ہے یہ توبہ اس کی دستگیری کرتی اور اس کو راہ پر لگاتی ہے۔

عبادت

توبہ کے بعد عبادت کا ذکر ہے۔ یہ خدا کے سب سے بڑے حق کا حوالہ ہے۔ جو بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے اس پر خدا کا اولین حق اس کی عبادت کا عائد ہوتا ہے اور چونکہ خدا کے سوا کوئی اور اس حق میں ساجھی نہیں ہے اس وجہ سے اس کا بلا شرکت غیرے ہونا اس کی صفت لازمی ہے اور ساتھ ہی اطاعت بھی چونکہ اس کا بدیہی تقاضا ہے اس وجہ سے وہ بھی اس کا جزو لاینفک ہے۔

حمد

عبادت کے ساتھ حمد کا ذکر ہے جو تمام عبادات کی روح ہے اس لئے کہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ، جیسا کہ اپنے مقام پر واضح ہو چکا ہے، سب خدا کی شکر گزاری اور اس کی نعمتوں کے اعتراف کے مظاہر ہیں۔ اگر بندے کے اندر شکر گزاری اور اعترافِ نعمت کا جذبہ بطور ایک صفت کے راسخ نہ ہو تو نہ تو وہ عبادت کا حق ادا کرنے پر آمادہ ہی ہوتا ہے اور نہ اس کی عبادت کے اندر کوئی روح ہوتی ہے۔

سیاحت

اس کے بعد سیاحت کا ذکر ہے اس کی وضاحت ہم اوپر کر چکے ہیں۔ یہ ان تمام سرگرمیوں، مشقتوں اور ریاضتوں کی ایک جامع تعبیر ہے جو آدمی اپنے ظاہر و باطن کی تربیت و اصلاح، دین کو سمجھنے اور سمجھانے، اس کو پھیلانے اور بڑھانے کے لئے والہانہ اور سرفروشانہ اختیار کرتا ہے اور جن کی راہ میں اپنی زندگی کی لذتیں، راحتیں، امنگیں اور خوشیاں بے دریغ قربان کرتا ہے۔

خلوت کی نمازیں

پھر نماز کا ذکر ہے جس کے لیے 'الراکعون الساجدون' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ نماز کا ذکر قرآن میں جہاں جہاں اس اسلوب سے ہوا ہے وہاں صرف فرض نمازیں مراد نہیں ہیں بلکہ خلوت کی نمازیں مراد ہیں۔ یہی نمازیں ان تمام چیزوں کی محافظ بھی ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اور یہی اس ریاضت کو بھی زندگی اور نشو و نما بخشتی ہیں جو سیاحت کے لفظ سے تعبیر کی گئی۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

اس کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر ہے۔ اوپر جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان کا بیشتر تعلق فرد کی اپنی اصلاح و تربیت سے ہے۔ اب یہ ان کا تعلق قوم اور جماعت کے ساتھ واضح کیا جا رہا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں۔ وہ دوسروں کے خیر و شر سے بے تعلق رہ کر زندگی نہیں گزارتے بلکہ دوسروں کی اصلاح و تربیت کے لیے بھی اپنے اندر تڑپ رکھتے ہیں اور اپنی طاقت و صلاحیت کے مطابق اصلاح منکر کا فرض انجام دیتے ہیں۔

حفاظت حدود الٰہی

آخر میں حفظ حدود اللہ کا ذکر ہے۔ یہ درحقیقت تقویٰ کی تعبیر ہے اور خاتمہ پر ایک ایسی صفت کا حوالہ دے دیا گیا ہے جو سب سے زیادہ جامع ہے یعنی وہ زندگی کے تمام مراحل میں برابر چوکنے رہتے ہیں کہ خدا نے جو حدود قائم فرمائے ہیں ان میں سے کوئی حد ٹوٹنے نہ پائے۔ نہ وہ خود کسی حد کو توڑنے کی جسارت کرتے ہیں اور نہ اپنے امکان کی حد تک کسی دوسرے کو اس کے توڑنے کی اجازت دیتے ہیں۔

اہل ایمان کے کردار کے یہ پہلو، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہاں اس لیے بیان ہوئے ہیں کہ منافقین کے سامنے سچے اہل ایمان کی تصویر آ جائے کہ مومن ان صفات کے حامل ہوتے ہیں نہ کہ ہر مدعی ایمان جو کردار و اعمال میں تو اس کے بالکل برعکس ہے لیکن اپنا نام اہل ایمان کے رجسٹر میں لکھوانا چاہتا ہے۔

۲۰ - آگے کا مضمون آیات ۱۱۳ - ۱۲۹

آگے خاتمہ سورہ کی آیات ہیں ۔ خطاب براہ راست مسلمانوں سے ہے ۔ تمام عناصر فاسدہ سے ان کو پاک کر دینے کے بعد آخر میں یہ بعض ہدایات اور بشارتیں دی جا رہی ہیں

پہلی یہ ہدایت فرمائی کہ پیغمبرؐ یا اہل ایمان کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ مشرکین کے لیے خدا سے استغفار کریں اگرچہ وہ قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں ۔ اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لئے جو استغفار کیا ، اس کا صحیح پہلو واضح فرما دیا تاکہ یہ واقعہ کسی کے لیے غلط فہمی کا سبب نہ بنے ۔ اس ہدایت سے مقصود مسلمانوں کو باطل کے ہر لوث اور ہر شائبہ سے بالکل پاک کر کے صرف حق کے لیے جینے اور مرنے کے نصب العین پر قائم کرنا ہے ۔ اگر حق کے سوا کسی اور حمیت کا کوئی ادنیٰ شائبہ بھی آدمی کے اندر باقی رہے تو یہیں سے نفاق اور کفر کی راہیں کھلتی ہیں اس وجہ سے پوری شدت کے ساتھ اس دروازے کو بند کر دیا گیا ۔

اس کے بعد ان تمام مسلمانوں کو قبولیت توبہ کی بشارت سنائی گئی ہے جو ان تنبیہات کے بعد جو اس سورہ میں وارد ہوئی ہیں ، اپنی کمزوریوں کی اصلاح کے لیے بے چین و بے قرار ہو گئے تھے اور توبہ و استغفار میں سرگرم تھے ۔

پھر اہل مدینہ اور اعراب کے تائبین کو یہ نصیحت فرمائی کہ اپنے آپ کو ہمیشہ راست بازوں اور صداقت شعاروں کے ساتھ وابستہ رکھو تاکہ ان کی صحبت و معیت تمہاری کمزوریوں کی اصلاح کا ذریعہ بنے ، نیز اس عظیم اجر کو یاد رکھو جو اللہ نے اپنی راہ کی ہر چھوٹی بڑی نیکی کے عوض دینے کا وعدہ کر رکھا ہے علاوہ ازیں خاص طور پر اہل بادیہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ ان کی جماعتیں برابر مرکز سے وابستہ رہیں تاکہ صحبت نبوی کی برکتوں سے وہ خود بھی مستفید ہو سکیں اور اپنی قوم کو بھی مستفید کر سکیں ۔

آگے مسلمانوں کو اپنے اپنے گرد و پیش کے کفار سے جنگ کرنے اور ان کے مقابل میں سخت ہونے کی تاکید فرمائی اور ان تمام تنبیہات کے بعد بھی جو لوگ ابھی نفاق کی آلودگیوں میں لتھڑے ہوئے تھے ان کے انجام کی طرف اشارہ فرمایا ۔

آخر میں مسلمانوں کو خطاب کر کے یہ واضح فرمایا کہ کیسی عظیم نعمت و رحمت ہے جو اس پیغمبرؐ کی صورت میں تمہیں نصیب ہوئی ہے تو صدق دل سے اس کی قدر کرو اور اعراض کرنے والوں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

میرا بھروسہ اسی پر ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے ——— اسی روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۱۱۳-۱۲۹

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾ لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١١٧﴾ وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ۚ حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١١٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿١١٩﴾ مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢١﴾ وَمَا

كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا
رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا
الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٢٣﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن
يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ
إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ
فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿١٢٥﴾ أَوَلَا يَرَوْنَ
أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا
هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ
بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ اللَّهُ
قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿١٢٧﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ
مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ
رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا
هُوَ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾

نبی اور مومنین کے لیے روا نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے مغفرت مانگیں اگرچہ وہ
قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں جبکہ یہ ظاہر ہو چکا کہ یہ جہنم میں جانے والے لوگ ہیں۔
اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے مغفرت مانگنا صرف اس وعدے کے سبب سے
تھا جو اس نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس
نے اس سے اعلان برأت کر دیا۔ بے شک ابراہیم بڑا ہی رقیق القلب اور بردبار تھا
اور اللہ کسی قوم کو، اس کو ہدایت دینے کے بعد، گمراہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ وضاحت
کے ساتھ ان کو وہ چیزیں بتا نہ دے جن سے ان کو بچنا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز کا
علم رکھنے والا ہے۔ اللہ ہی ہے جس کی آسمانوں اور زمین پر بادشاہی ہے۔ وہی جلاتا اور
مارتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار۔ ۱۱۳ - ۱۱۶

اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر رحمت کی نظر کی جنہوں نے نبی کا ساتھ

تنگی کے وقت میں دیا۔ بعد اس کے کہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل کجی کی طرف مائل ہو چکے تھے پھر اللہ نے ان پر رحمت کی نگاہ کی۔ بے شک وہ ان پر نہایت مہربان اور رحیم ہے اور ان تینوں پر بھی رحمت کی نگاہ کی جن کا معاملہ اٹھا رکھا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں ضیق میں پڑ گئیں اور انہوں نے اندازہ کر لیا کہ خدا سے خدا کے سوا کہیں مفر نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر عنایت کی نظر کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ ہی ہے جو توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ۱۱۷ - ۱۱۸

اے ایمان والو، اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کی معیت اختیار کرو۔ اہل مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے اعراب کے لئے روا نہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول کو چھوڑ کر پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ اپنی جان کو اس کی جان سے عزیز رکھیں۔ یہ اس لیے کہ جو پیاس، تکان اور بھوک بھی خدا کی راہ میں ان کو لاحق ہوتی ہے، اور جو قدم بھی وہ کفار کو رنج پہنچانے والا اٹھاتے ہیں اور جو چرکا بھی وہ کسی دشمن کو لگاتے ہیں، ان سب کے بدلے میں ان کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کریگا۔ اور جو کوئی چھوٹا یا بڑا انفاق وہ کرتے ہیں اور جو وادی بھی وہ قطع کرتے ہیں، سب ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان کے عمل کا اچھا سے اچھا بدلہ دے۔ یہ تو نہ تھا کہ سب ہی مسلمان اٹھتے تو ایسا کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے کچھ کچھ لوگ نکلتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے اور اپنی قوم کے لوگوں کو بھی آگاہ کرتے جبکہ وہ ان کی طرف لوٹتے تاکہ وہ بھی احتیاط کرنے والے بنتے۔ ۱۱۹ - ۱۲۲

اے ایمان والو، تمہارے گرد و پیش جو کفار ہیں ان سے لڑو اور چاہیئے کہ وہ تمہارے رویہ میں سختی محسوس کریں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ اور جب کوئی سورہ اترتی ہے تو ان میں بعض وہ بھی ہیں جو پوچھتے ہیں کہ اس نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا؟ سو جو سچ مچ ایمان لائے ہیں وہ ان کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور وہ اس سے بشارت حاصل کرتے ہیں۔ رہے وہ جن کے دلوں میں روگ ہے تو وہ ان کی نجاست پر ایک اور نجاست کا اضافہ کر دیتی ہے اور وہ کفر ہی کی حالت پر مرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک بار یا دو بار آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، پھر بھی نہ تو توبہ کرتے نہ یاد دہانی ہی حاصل کرتے۔ اور جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے

فضیلت ابوبکرؓ و عمرؓ (۳)

اُردو ترجمہ

قُرّۃُ العَینَین فی تفضیل الشیخین

تالیف

شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اور عبید اللہؓ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہؓ بن عباسؓ سے ملنے گیا اور میں نے ان سے کہا "کیا میں آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے متعلق وہ بات نہ بتاؤں جو مجھے عائشہؓ نے بتائی تھی؟"۔ وہ بولے "ضرور بتاؤ!" چنانچہ میں نے انہیں عائشہؓ کی پوری روایت سنائی۔ انہوں نے اس کے کسی جزو کو بھی ردّ نہ کیا، ماسوائے اس کے کہ انہوں نے پوچھا۔ "کیا عائشہؓ نے تمہیں اس آدمی کا نام بھی بتایا تھا جو عباسؓ کے ہمراہ تھا؟" میں نے کہا "نہیں!" انہوں نے کہا "وہ علیؓ بن ابی طالب تھے"۔ اس حدیث

بقیہ تدبّر قرآن : کہ دیکھتے ہیں کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے پھر کھسک جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے بوجہ اس کے کہ یہ سمجھ سے کام لینے والے لوگ نہیں ہیں - ۱۲۴ - ۱۲۷

تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آ چکا ہے جس پر تمہارا ہلاکت میں پڑنا بہت شاق ہے، وہ تمہارے ایمان کا حریص اور اہل ایمان کے لیے سراپا شفقت و رحمت ہے پس اگر وہ روگردانی کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میرے لیے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اس پر میں نے بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔ ۱۲۸ - ۱۲۹

کو بخاری نے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ نے بھی اسے تفصیلاً ارقم بن شرحبیل کے واسطے سے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو انصار نے کہا "ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیئے اور ایک تم میں سے!" عبداللہؓ بن مسعود کہتے ہیں کہ اس پر حضرت عمرؓ انصار کے پاس آئے اور انہوں نے کہا "اے گروہ انصار! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو لوگوں کی امامت کرنے کا حکم دیا تھا، پھر تم میں سے کس کا دل اس بات پر آمادہ ہوگا کہ وہ خود کو ابوبکرؓ پر مقدم جانے؟" انصار نے کہا "ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے کہ ہم اپنے آپ کو ابوبکرؓ پر مقدم کریں"۔ اس روایت کو الحاکم نے المستدرک میں اور عمرؓ نے الاستیعاب میں درج کیا ہے۔

حسن بصریؒ نے قیس بن عباد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ مجھے علیؓ بن ابی طالب نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کئی دن اور کئی راتیں بیمار رہے، اس دوران میں جب نماز کے لیے پکارا جاتا تھا تو آپ یہی فرماتے تھے کہ ابوبکرؓ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور میں نے غور کیا تو معاً مجھ پر یہ حقیقت روشن ہوئی کہ نماز ہی تو اسلام کا علم اور دین کا قوام ہے۔ چنانچہ ہم دینوی قیادت کے معاملے میں بھی اسی شخص پر راضی ہو گئے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری دینی امامت کے لیے پسند فرمایا تھا۔ نتیجۃً ہم نے ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اس روایت کو ابوعمر نے الاستیعاب میں بیان کیا ہے اور حاکم نے بھی المستدرک میں علیؓ اور زبیرؓ کے حوالے سے ایک طویل قصے کے ضمن میں اسی سے ملتی جلتی بات نقل کی ہے۔

انہی روایات میں سے ایک حضرت جبیرؓ بن مطعم کی روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھا۔ آپؐ نے اسے پھر کسی دن آنے کی ہدایت فرمائی۔ عورت نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بالفرض میں آؤں اور آپؐ کو نہ پاؤں تو پھر؟" اس کا مطلب تھا کہ اگر آپؐ رحلت فرما چکے ہوں تو؟ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر تو مجھ کو موجود نہ پائے تو ابوبکرؓ سے مل لینا!" یہ روایت متفق علیہ ہے اور ابوعمر نے الاستیعاب میں بیان کیا ہے کہ امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اس امر کے لیے دلیل موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ ابوبکرؓ ہوں گے۔

انہیں میں سے ابو درداء کی حدیث بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر سا خطبہ دیا اور اپنے خطبے سے فارغ ہوئے تو ابوبکرؓ سے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ اٹھو اور خطبہ دو۔ چنانچہ ابوبکرؓ اٹھے اور خطبہ دیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے سے بھی قدرے مختصر تھا۔ جب ابوبکرؓ اپنا خطبہ دے چکے تو آپ نے فرمایا۔" اے عمرؓ! اٹھو اور خطبہ دو۔ چنانچہ عمرؓ اٹھے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ دونوں کے خطبوں سے مختصر خطبہ دیا۔" اس روایت کو الحاکم نے نقل کیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اگر تم کہو کہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فرمودات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا اس لیے کہ حضرت عمرؓ کا قول جو بخاری نے روایت کیا ہے یہ ہے کہ اگر میں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تو (یہ کوئی انوکھی بات نہیں) رسول اللہؐ نے بھی کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا تھا تو میں کیسے بناؤں؟ لہٰذا نصوص اور اشارات کے بارے میں جو کچھ اوپر بیان کیا جا چکا ہے اس میں اور ان افکار و اقوال میں تطابق کیونکر پیدا ہو؟

اس اشکال کے جواب میں ہم عرض کریں گے کہ ان آثار و اقوال میں جس استخلاف کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو کسی ایسی نصِ قطعی سے خلیفہ مقرر کر دیا جاتا جو لفظاً اور معنًا متواتر ہوتی یا لوگوں کو جمع کر کے کسی کی بیعت کا حکم دیا جاتا یا ایسی ہی کوئی اور صورت اختیار کی جاتی۔ رہا دلالت النص کا معاملہ تو ان دونوں حضرات نے امامتِ صلوٰۃ سے خلافت پہ دلالت کی تصریح فرمائی ہے۔

خلافت اور افضلیت لازم و ملزوم ہیں

باقی جہاں تک کسی کی خلافت و افضلیت کے لازم و ملزوم ہونے کا تعلق ہے تو یہ دس وجوہ سے ثابت ہے جو حسب ذیل ہیں :-

(۱) ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ کا مقصد ان بزرگوں کو خلافت عطا فرمانے سے یہ تھا کہ دین کو استحکام حاصل ہو اور وہ علی احسن الوجوہ قائم رہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے لیے لازم ہے کہ خلیفہ اسی کو بنایا جائے جو سب سے زیادہ استحقاقِ خلافت رکھتا ہو۔ اس لیے کہ اگر کوئی دوسرا اس سے زیادہ صاحب استحقاق موجود ہو تو لازماً اس کی خلافت سے استحکام و اقامت دین کا مقصد بہتر طور سے پورا ہوگا اور جب مقصود

یہ ہو کہ زیادہ سے زیادہ استحکام حاصل ہو تو مستحق تر اور بر تر کو چھوڑ کر کم تر یا کہتر کو خلیفہ بنا دینا یقیناً کم عقلی ہے اور بالیقین حق تعالیٰ کم عقلی سے منزّہ ہے ۔

اور جس طرح ہم نے یہ کہا کہ استحکامِ دین کے مقصد کے پیشِ نظر یہ لازم ہے، اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر قوم کو گمراہ کرنا مطلوب ہو تو پھر جابر و کافر کا مسند نشین خلافت ہونا موزوں و مناسب تر ہوگا۔ جیسا کہ عہدِ جہالت میں ہوا کیا۔ خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "وَ إِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا.... الآیہ"۔ یعنی جب ہمیں کسی بستی کا ہلاک کرنا مطلوب ہو تو ہم وہاں کے صاحبِ دولت و ثروت لوگوں کو حکم دے دیتے ہیں، چنانچہ وہ اس بستی میں فسق و فجور کا بازار گرم کر دیتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں 'امرنا مترفیہا' کا مفہوم جو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا یہ ہے کہ ہم ان کو تعداد میں زیادہ کر دیتے ہیں اور انہیں اقتدار کا مالک بنا دیتے ہیں ۔

اسی طرح جب مقصود یہ ہو کہ ایک اعتبار سے ہدایت برقرار رہے اور ایک جہت سے گمراہی در آئے تو پھر کوئی ایسا شخص بھی خلیفہ ہو سکتا ہے جس سے افضل افراد (قوم میں) موجود ہوں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک سے ظاہر ہوتا ہے کہ " پھر ظالم اور ستم کیش بادشاہی قائم ہو جائے گی !" اور یہی مفہوم ہمیں علی مرتضیٰؓ کے ان الفاظ سے حاصل ہوا جن میں ابو وائل نے روایت کیا ہے یعنی یہ کہ حضرت علیؓ سے کہا گیا " کیا آپ کسی کو ہمارے لیے اپنا خلیفہ مقرر نہیں کریں گے؟" اس پہ آپؓ نے جواب دیا کہ " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ مقرر کیا ہوتا تو میں بھی کر دیتا، تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ کو لوگوں کی بہتری مقصود ہے تو وہ انہیں میرے بعد اس شخص پہ ضرور متفق کر دے گا جو ان میں بہترین ہو گا۔" اس روایت کو الحاکم نے نقل کیا ہے ۔

(۲) دوسرے یہ کہ خلافتِ نبوّت کو نبوّت ہی پہ قیاس کیا جانا چاہیئے ۔ جس طرح کسی شخص کا نبی بنایا جانا اس امر پہ دلالت کرتا ہے کہ وہ جن کی طرف مبعوث ہوا ہے ان سے لازماً افضل ہے بعینہٖ اسی طرح کسی شخص کا خلیفہ بنایا جانا نہ صرف یہ کہ اس کی افضلیت پہ دلیلِ قطعی ہے بلکہ صرف اسی طرح ممکن ہے کہ ایک طرف تو ایسا نظم و ضبط ظہور میں آئے جو ہر اعتبار سے کامل ہو اور دوسری طرف مبداءِ فیاض سے نادانی و عقلی کی نفی کلّی کی جا سکے !

(۳) تیسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا تتبّع بجمیع احوال اس امر پہ دلالت کرتا ہے کہ کسی شخص کا خلافت کے لیے مقدّم ٹھہرایا جانا صرف ایک ہی [illegible]

کی طرف اس کا جھکاؤ سب سے زیادہ ہو اور اس کے ساتھ اس کا تعلق سب سے قوی ہو جیسا کہ علی مرتضیٰ رضؓ نے فرمایا " وہ (ابوبکرؓ) ان (رسول اللہؐ) کے نزدیک دینی اعتبار سے سب سے اقرب تھے ۔"
او کما قال۔ اس روایت کو ترمذی نے اپنی تالیف " شمائل نبوی " میں نقل کیا ہے۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " جس شخص نے کسی جمعیت میں سے کسی کو عامل بنایا درآنحالیکہ اس جمعیت میں کوئی ایسا شخص بھی موجود ہو جو اس (عامل) سے بڑھ کر اللہ کی رضا کا طالب ہو تو گویا اس نے اللہ سے بھی خیانت کی، اللہ کے رسولؐ سے بھی اور مومنین سے بھی ۔ (اخرجہ الحاکم)

حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جو شخص مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا ہو وہ اگر کسی کو محض طرفداری کی بنا پہ ان کا حاکم مقرر کرے تو اس پہ اللہ کی پھٹکار، اللہ اسے جہنّم داخل کرکے رہے گا، اس کی کوئی توبہ یا فدیہ قبول نہ کرے گا۔ (اخرجہ الحاکم)

۴۔ چوتھے یہ ہے کہ خلافت نبوّت ایسی ریاست عامّہ ہے جو دین و دنیا اور ظاہر و باطن سب پہ حاوی ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت کو تعیین خلافت کا کنایہ بنایا۔ اس لئے کہ نماز سب سے افضل اور اکمل عبادت ہے اور جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، حضرت علیؓ نے بھی اس امر کی تصریح فرمائی ہے ——— اور ریاستِ خلافت نبوّت کا مفہوم ہے مرؤسین یعنی رعایا اور شہریاں ریاست کو درجہ کمال پر پہنچانا، اور ظاہر ہے کہ جو شخص لوگوں کو درجہ تکمیل تک پہنچانے والا ہو وہ خود لازماً سب سے بہتر ہوگا، تب ہی لوگوں کی تربیت و تکمیل کا اہل ہوگا۔ ملک عضوض یعنی ظالم و جفا جو بادشاہی کا معاملہ اس کے برعکس ہے اس لیے کہ اس کا اقتدار صرف ظاہر سے متعلّق ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر نہ تو خلافتِ نبوت اور کسی دوسری حکومت میں کوئی فرق باقی رہتا اور نہ ہی خلافتِ نبوّت تیس سال کی مدت میں محدود رہتی اور نہ چار خلفاء سے مخصوص!

۵۔ پانچویں یہ کہ ایسے شخص کے لیے جو حکیم و دانا بھی ہو اور خیرخواہ و مشفق بھی یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنی جمعیت میں کسی شخص کو اپنا جانشین قرار دے دے اِلّا یہ کہ وہ جماعت میں بھی سب سے افضل ہو اور خود اس سے بھی سب سے بڑھ کر مشابہ ہو اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو دو ہی صورتیں ممکن ہیں یعنی یا تو وہ صاحبِ حکمت نہیں یا حقیقی معنوں میں خیرخواہ نہیں۔ پس جب یہ یقینی امر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلق کے سب سے بڑے خیرخواہ بھی ہیں اور خلق میں سب سے زیادہ علم الٰہی سے فیض پانے والے بھی ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ کے ان ارشادات سے ثابت ہے کہ " اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ "

(مؤمنین کے ساتھ جو تعلق ولایت و خیر طلبی نبیؐ کو ہے وہ خود انہیں اپنی ذات سے نہیں) اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم "حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ" یعنی تمہاری بھلائی کے سب سے بڑھ کر خواہش مند اور اہل ایمان کے حق میں بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے کہ "میں تم سب سے بڑھ کر خدا شناس اور خدا ترس ہوں" تو آپ کا صدیق اکبرؓ کو خلیفہ بنانا اولین اور واضح ترین دلیل ہے اس کی کہ وہ یعنی صدیق اکبرؓ مسلمانوں میں سب سے افضل بھی تھے اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ بھی!

۶۔ ششم یہ کہ صحابہ کرامؓ میں سے جن حضرات کو فقہ و تفقہ سے خصوصی حصہ ملا تھا جیسے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ اور ابن مسعودؓ، وہ سب حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ بنائے جانے سے ان کی افضلیت پر دلیل قائم کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں تصریح کی کہ وہ امر خلافت کے سب سے بڑھ کر حقدار ہیں! اب ظاہر ہے کہ یہ حضرات جو استنباط مسائل اور شریعت کے اسرار و رموز کی شناسائی کے اعتبار سے بلا شک و شبہ امت کے امام ہیں ہرگز یہ استنباط نہ کرتے اگر اس کے لیے کوئی مضبوط بنیاد اور قوی اساس موجود نہ ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جس روایت کا ذکر پہلے کر چکے ہیں اس کی رو سے حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا کہ "تم میں سے کس کا دل گوارا کرے گا کہ اپنے آپ کو ابوبکرؓ پر مقدم جانے" اور حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے کہا تھا کہ "ہم اگر ناراض ہیں تو فقط اس بات کے باعث کہ ہمیں دیر ہو گئی اور ہم مشورے میں شریک نہ ہو سکے ورنہ رائے ہماری بھی یہی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے سب سے بڑھ کر حقدار ہیں، اس لئے کہ وہ آپؐ کے غار کے ساتھی اور (از روئے قرآن) "ثانیٔ اثنین" ہیں۔ نیز یہ کہ ہم ابوبکرؓ کے شرف سے بھی آگاہ ہیں اور بزرگی سے بھی اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ انہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت کا حکم اپنے جیتے جی دیا تھا۔" اس روایت کو الحاکم نے المستدرک میں نقل کیا ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا قول ہے کہ "اپنا امام اپنے بہترین شخص کو بناؤ اس لئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے بعد ہماری امامت کے لیے ہم میں سے بہترین شخص کو مقرر فرمایا تھا۔" اس روایت کو ابن عمر نے استیعاب میں نقل کیا ہے۔

۷۔ ساتویں یہ کہ اگر بالفرض اس وقت کئی افراد خلافت کے ضمن میں برابر کے حقدار موجود تھے تو پھر "یابی اللہ والمسلمون" کے کیا معنی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بالتاکید کسی بھی دوسرے کی امامت کو پسند نہ کرنا کس وجہ سے تھا؟

۸ ۔ آٹھویں یہ کہ بعض احادیث میں موازنہ اسی ترتیب سے ظاہر ہوا ہے اور معلوم ہے کہ یہ موازنہ کثرت فتوح پر مبنی نہیں۔ اس لیے کہ کثرت فتوح کے باب میں تو حضرت ابوبکرؓ سے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں " ان کے ڈول کھینچنے کی کیفیت سے ضعف نمایاں تھا!" لہذا یہ ترتیب اگر ظہور میں آئی تو فقط اس افضلیت کی رُو سے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور حاصل تھی!

۹ ۔ نہم یہ کہ انصار اور بنی ہاشم کے جن چند افراد نے حضرت صدیق اکبرؓ کے خلیفہ بنائے جانے کے معاملہ میں جھگڑا کیا تھا ان سب نے ان دلیلوں کے پیش کئے جانے پر اپنی رائے سے رجوع کرتے ہوئے سرِ تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابوبکرؓ کی افضلیت کا اقرار کر لیا جیسا کہ انصارؓ اور علی مرتضیٰؓ اور زبیرؓ کے قصے سے واضح ہو چکا ہے کہ ان حضرات نے یہ قطعاً نہیں کہا کہ صدیق اکبرؓ کی افضلیت مسلّم نہیں اور یہ ثبوت قطعی ہے اس کا کہ خلافت اور افضلیت بہر طور لازم و ملزوم اور مترادف و ہم معنیٰ ہیں!

(۱۰) دہم یہ کہ بخلاف دوسروں کے حضرات شیخین (ابوبکرؓ اور عمرؓ) کی خلافت قطعی اور حتمی طور پر ثابت اور مسلّم و مجمع علیہ ہے اور جیسا کہ واضح کیا جا چکا ہے خلافت لازماً صفاتِ کمال کے ساتھ مشروط ہے۔ لہذا ان حضرات کی افضلیت ان کی مسلّم و مجمع علیہ خلافت سے قطعی طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی اور ظاہر ہے کہ جس صفاتِ کمال حتمی اور قطعی طور پر ثابت ہو جائیں وہ لازماً افضل ہے، اس سے جس کی افضلیت قیاس یا کسی خبرِ واحد پر مبنی ہو۔ گویا کہ ان کے مابین فرق اسی نوعیت کا ہے جس نوعیت کا تفاوت فرض اور واجب کے مابین ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ام علیٰ قلوب اقفالہا ہ

مبادیٔ تدبّرِ قرآن

از : مولانا امین احسن اصلاحی

عمدہ سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت میں۔ بڑا سائز یعنی $\frac{22 \times 18}{8}$ کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل۔ مضبوط جلد اور دبیز آفسٹ پیپر کے خوشنما ڈسٹ کور کے ساتھ

بقول مصنّف: "..... میں ہر اس شخص کو جو ہمارے طریقہ پر قرآن پر غور کرنا چاہتا ہو، یہ مشورہ دونگا کہ وہ اس کتاب کو نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار غور سے پڑھ لے، اسی سے تدبر قرآن کے ان اصولوں کی رہنمائی ہوگی جو میں نے اپنے استاد سے سیکھے تھے اور جو میں نے اپنی تفسیر میں ملحوظ رکھے ہیں۔ میرے نزدیک یہی اصول ہیں جو ہمارے سلف صالحین میں سے ان لوگوں نے ملحوظ رکھے جنکو علم قرآن میں سے حصّہ ملا اور آج بھی وہی لوگ قرآن میں سے حصّہ ملا اور آج بھی وہی لوگ قرآن میں سے کوئی حصّہ پائیں گے جو ان اصولوں کو رہنما بنا کر قرآن میں غور کریں گے۔"

(قیمت -/۷ روپے محصول ڈاک بذمہ خریدار)

دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

مصنّفہ
ڈاکٹر سٹین وڈ قاب سابق پروفیسر
رابرٹ کالج، استنبول
ترکیہ

عربی اسلامی ثقافت

غیر مہذّب و غیر شائستہ ہسپانوی مسیحیوں میں

ترجمہ:
پروفیسر اعجاز احمد چودھری، ہاشمی میموریل کالج آف کامرس، لاہور

اندلس کی شاندار اسلامی سلطنت کا ضُعف اس نقطۂ زوال پہ پہنچ گیا جہاں شمالی یورپ کے جنگجو قوطی مسیحیوں نے ان کو شکست فاش دی۔ ان جنگجو مسیحی قبائل کا صدیوں تک کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ "جنگ" ہی اُن کا پیشہ تھی۔ نیز ایسے عوامل جو سقوطِ بغداد کے ذمّہ دار تھے، اسلامی اندلس کے زوال میں بھی مصروفِ کار تھے۔

عربوں کی انفرادیت یعنی اُن میں عربی تفاخر کا پایا جانا، خدا کے اور اس کے مقدس قرآن کے ماسوا کی اطاعت، قوانینِ الٰہی کی ہمہ گیری سے گریز اور وسیع انسانی مفادات کے ادراک کی نا اہلیت، نیز قوتِ ایمانی کی کمزوری، اندلس کی خوشگوار آب و ہوا کا مخمور و مسحور کُن اثر جس کی وجہ سے کاہلی و اضمحلالِ قوارد کا ظہور، اندلس کی مسیحی آبادی کا اظہارِ بددلی و بدظنی، بعد کا غیر منصفانہ نظامِ ٹیکس و مالیہ اور ایسے دوسرے بڑے بڑے عوامل نے مسلمان حکمرانوں سے آہستہ آہستہ سرزمینِ اندلس کا چپّہ چپّہ چھین لیا۔

لاس نیوکس ڈی طولوسہ (LAS NAWAS DE TOLOSA) قرطبہ کے نزدیک ایک اہم مرکز تھا جہاں ۱۲۱۲ شمسی میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس معرکہ میں مسیحی فوج کی کمان قسطیلیہ (CASTILE) کی مسیحی ریاست کے فرمانروا شاہ الفانسو کر رہا تھا۔ اسی فوج میں اراگان (ARAGON)، نیورے (NAVARRE)، پرتگال اور فرانس کے تند و تیز، ولولہ انگیز اور مذہبی بغض و جنون سے مخمور اور کلیسا کی اندھی تقلید کے مغلوب مسیحی جنگجو شامل تھے۔ مسلمان فوج بھی ہزاروں پہ مشتمل تھی لیکن ماری گئی۔ صرف چند سو سپاہی بچے۔ اگرچہ اس جنگ نے واضح طور پہ اسلامی سلطنت کے سیاسی زوال پہ مہر تصدیق ثبت کر دی تھی لیکن پھر بھی تین صدیوں تک اندلس کی زندگی

کے مختلف شعبوں پر عربی اثرات نمایاں رہے۔

سب سے اہم اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ الفانسو نے بربری مسلمانوں کو شکست دینے کے فوراً بعد تہس نہس کر کے ان کو ملک بدر کیوں نہ کیا؟۔ اس کی واحد وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ الفانسو حکمرانی کرنے کی بجائے "فوجی فتح" کے حصول کا زیادہ اہل تھا۔ الفانسو کا تاریخی کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس نے اندلسی سلطنتِ امیہ کی مرکزیت ختم کر کے سارے ملک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جن کو مختلف عیسائی سرداروں یا مقامی مسلمان خاندانوں کی حکمرانی میں دے دیا۔ جن میں سے اکثر نے اسلامی ثقافت کو گلے سے لگائے رکھا بلکہ بعض تو اس کی ترقی میں بھی کوشاں نظر آتے رہے۔

اس سے بھی حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ اسلامیوں کے اسی سیاسی زوال و انحطاط کے عہد میں ہسپانوی مسیحیوں پر شاندار اسلامی ثقافت نے اپنا فیض رساں اور کرم گستر انہ اثر دکھایا۔ یہی اثر بعد میں یورپی ثقافت کی نشاۃِ اولیٰ قرار پایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک ہی شکست کے بعد مسیحی جنگجوؤں کا وہ جذبۂ انتقام و تعصب اور مذہبی جوش و جنوں جس کا شدید الاؤ وہ اپنے اندر محسوس کر رہے تھے، سرد پڑ گیا۔ اندلس کی سرزمین پر صدیوں تک عیسائی اور مسلمان گھل مل کر بسر اوقات کرتے رہے یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ روزمرہ کے امور و وظائفِ زندگی میں حصہ لیتے رہے۔ اس طرح ان غیر شائستہ مسیحیوں کو بھی زندگی میں محنت کرنے، کمانے اور پیداواری وسائل کو بروئے کار لانے کی عادت پڑ گئی۔

دراصل اس باہمی ربط و اختلاط کی وجہ عملی گنجائش اور موزونیت کی فراہمی تھی۔ عیسائیوں کو ان مفتوحین کی اشد ضرورت تھی کیونکہ وہ ان اندلسی عربوں سے وہ سائنسی علوم و فنون سیکھنا چاہتے تھے جن کو مسلمانوں نے صدیوں کی محنتِ شاقہ اور عرق ریزی سے ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا تھا۔ ان اندلسی مسلمانوں کے قبضہ میں ایسی ٹیکنالوجی تھی جس کا حصول مالِ غنیمت کی طرح ممکن نہ تھا۔ وہ تو بالمشافہ کسبِ فیض سے ہی کچھ مدت کے بعد حاصل کی جا سکتی تھی۔ اندلس کے ان غیر مہذب مسیحی جنگجوؤں کی ناشائستگی اور ناخواندگی نے ان کو ایسے سائنسی علوم و فنون کے حصول کا نااہل بنا دیا تھا۔ اس لیے اندلسی عربوں کا قیام ناگزیر سمجھا گیا۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لیے اُن کو امن و امان سے رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

ان اندلسی عربوں سے عیسائیوں نے ریشم کے کیڑے سے ریشمی کپڑا تیار کرنے کا فن سیکھا۔ ریشمی کپڑے کی کتائی اور دوسری مصنوعات پارچہ بافی کی تیاری بھی سیکھی۔ ان عیسائیوں کے پیشِ نظر عربوں سے فنِ کوزہ گری اور فنِ صیقل گری کی ٹیکنالوجی کا حصول تھا۔ ان اندلسی مسیحیوں نے عرب کاریگروں اور ماہرین سے فنِ تعمیر، فنِ کارچوبی، فنِ پچیکاری کی مہارت حاصل کی تھی۔ ان غیر مسلموں کو عربی کاشتکاروں اور زمینداروں سے

مصنّفہ
ڈاکٹر سٹین وڈ قاب سابق پروفیسر
رابرٹ کالج، استنبول
ترکیہ

عربی اسلامی ثقافت

غیر مہذّب و غیر سائشتہ ہسپانوی مسیحیوں میں

ترجمہ:
پروفیسر اعجاز احمد چودھری، اسلامیہ میموریل کالج آف کامرس، لاہور

اندلس کی شاندار اسلامی سلطنت کا ضعف اس نقطۂ زوال پر پہنچ گیا جہاں شمالی یورپ کے جنگجو قوطی مسیحیوں نے ان کو شکست فاش دی۔ ان جنگجو مسیحی قبائل کا صدیوں تک کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ "جنگ" ہی اُن کا پیشہ تھی۔ نیز ایسے عوامل جو سقوطِ بغداد کے ذمّہ دار تھے، اسلامی اندلس کے زوال میں بھی مصروفِ کار تھے۔

عربوں کی انفرادیت یعنی اُن میں عربی تفاخر کا پایا جانا، خدا کے اور اس کے مقدس قرآن کے ماسوا کی اطاعت، قوانینِ الٰہی کی ہمہ گیری سے گریز اور وسیع انسانی مفادات کے ادراک کی نا اہلیت، نیز قوتِ ایمانی کی کمزوری، اندلس کی خوشگوار آب و ہوا کا مخمور و مسحور کُن اثر جس کی وجہ سے کاہلی و اضمحلالِ قویٰ کا ظہور، اندلس کی مسیحی آبادی کا اظہارِ بد دلی و بدظنی، بعد کا غیر منصفانہ نظامِ ٹیکس و مالیہ اور ایسے دوسرے بڑے بڑے عوامل نے مسلمان حکمرانوں سے آہستہ آہستہ سرزمینِ اندلس کا چپّہ چپّہ چھین لیا۔

لاس نیوکس دی طولوسہ (LAS NAWAS DE TOLOSA) قرطبہ کے نزدیک ایک اہم مرکز تھا جہاں ۱۲۱۲ء میں مسلمانوں کو شکستِ فاش ہوئی۔ اس معرکہ میں مسیحی فوج کی کمان قسطیلیہ (CASTILE) کی مسیحی ریاست کے فرمانروا شاہ الفانسو کر رہا تھا۔ اسی فوج میں اراگان (ARAGON)، نیورے (NAVARRE)، پرتگال اور فرانس کے تند و تیز، ولولہ انگیز اور مذہبی بغض و جنون سے مخمور اور کلیسا کی اندھی تقلید کے مغلوب مسیحی جنگجو شامل تھے۔ مسلمان فوج بھی ہزاروں پر مشتمل تھی لیکن ماری گئی۔ صرف چند سو سپاہی بچے۔ اگرچہ اس جنگ نے واضح طور پر اسلامی سلطنت کے سیاسی زوال پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی لیکن پھر بھی تین صدیوں تک اندلس کی زندگی

کے مختلف شعبوں پر عربی اثرات نمایاں رہے۔

سب سے اہم اور قابلِ غور امر یہ ہے کہ الفانسو نے بربری مسلمانوں کو شکست دینے کے فوراً بعد تہس نہس کر کے ان کو ملک بدر کیوں نہ کیا؟۔ اس کی واحد وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ الفانسو حکمرانی کرنے کی بجائے "فوجی فتح" کے حصول کا زیادہ اہل تھا۔ الفانسو کا تاریخی کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس نے اندلسی سلطنتِ امیہ کی مرکزیت ختم کر کے سارے ملک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جن کو مختلف عیسائی سرداروں یا مقامی مسلمان خاندانوں کی حکمرانی میں دے دیا۔ جن میں سے اکثر نے اسلامی ثقافت کو گلے سے لگائے رکھا بلکہ بعض تو اس کی ترقی میں بھی کوشاں نظر آتے رہے۔

اس سے بھی حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ اسلامیوں کے اسی سیاسی زوال و انحطاط کے عہد میں ہسپانوی مسیحیوں پر شاندار اسلامی ثقافت نے اپنا فیض رساں اور کرم گستر انہ اثر دکھایا۔ یہی اثر بعد میں یورپی ثقافت کی خشتِ اوّل قرار پایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک ہی شکست کے بعد مسیحی جنگجوؤں کا وہ جذبۂ انتقام و تعصّب اور مذہبی جوش و جنون جس کا شدید الاؤ وہ اپنے اندر محسوس کر رہے تھے، سرد پڑ گیا۔ اندلس کی سرزمین پر صدیوں تک عیسائی اور مسلمان گھل مل کر بسر اوقات کرتے رہے یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ روزمرہ کے امور و وظائفِ زندگی میں حصّہ لیتے رہے۔ اس طرح ان غیر شائستہ مسیحیوں کو بھی زندگی میں محنت کرنے، کمانے اور پیداواری وسائل کو بروئے کار لانے کی عادت پڑ گئی۔

دراصل اس باہمی ربط و اختلاط کی وجہ عملی گنجائش اور موزونیت کی فراہمی تھی۔ عیسائیوں کو ان مفتوحین کی اشد ضرورت تھی کیونکہ وہ ان اندلسی عربوں سے وہ سائنسی علوم و فنون سیکھنا چاہتے تھے جن کو مسلمانوں نے صدیوں کی محنتِ شاقہ اور عرق ریزی سے ترقی کے اعلیٰ مدارج تک پہنچایا تھا۔ ان اندلسی مسلمانوں کے قبضہ میں ایسی ٹیکنالوجی تھی جس کا حصول مالِ غنیمت کی طرح ممکن نہ تھا۔ وہ تو بالمشافہ کسب فیض سے ہی کچھ مدت کے بعد حاصل کی جا سکتی تھی۔ اندلس کے ان غیر مہذب مسیحی جنگجوؤں کی ناشائستگی اور ناخواندگی نے ان کو ایسے سائنسی علوم و فنون کے حصول کا نا اہل بنا دیا تھا۔ اس لیے اندلسی عربوں کا قیام ناگزیر سمجھا گیا۔ چنانچہ کچھ عرصے کے لیے اُن کو امن و امان سے رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔

ان اندلسی عربوں سے عیسائیوں نے ریشم کے کیڑے سے ریشمی کپڑا تیار کرنے کا فن سیکھا۔ ریشمی کپڑے کی کتائی اور دوسری مصنوعات پارچہ بافی کی تیاری بھی سیکھی۔ ان عیسائیوں کے پیش نظر عربوں سے فنِ کوزہ گری اور فنِ صیقل گری کی ٹیکنالوجی کا حصول تھا۔ ان اندلسی مسیحیوں نے عرب کاریگروں اور ماہرین سے فنِ تعمیر، فنِ کارچوبی، فنِ پچیکاری کی مہارت حاصل کرنی تھی۔ ان غیر مسلموں کو عربی کاشتکاروں اور زمینداروں سے

فن کاشتکاری، فن باغبانی، فن آبپاشی، فن تحقیق زرعی اجناس، فن پیوند کاری، فن افزائش زرعی حیوانات کے حصول کی بھی اشد ضرورت تھی۔

انہی وجوہات کی بنا پر مسیحی اور مسلمان عرب، اندلس کی سرزمین پر پورے اڑھائی سو سال تک آپس میں صلح و امن سے بسر اوقات کرتے رہے۔ یہی دور اندلسی مسیحیوں کی علمی، فنی و سائنسی ترقیوں کا نقطۂ آغاز ہے۔ تاریخ میں ایسی بے نظیر دوستی اس سے قبل کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آئی اور نہ ہی اس کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ کئی لحاظ سے یہ ایک سادہ اور پرکشش دور تھا۔ جو تاریخ عالم کے شارحین اور مفکرین کے لیے دعوتِ فکر و نظر پیش کرتا ہے۔ انسانیت کی ساری تاریخ میں ایسا واقعہ کبھی بھی پیش نہیں آیا۔

(۲)

اندلس میں غرناطہ کی اسلامی سلطنت ساڑھے تین سو سال تک اسلامی ثقافت کا اہم مرکز رہی اس کی آب و ہوا نہایت ہی خوشگوار، اس کی فضا و ماحول مسحور کن اور سرزمین سرسبز و شاداب تھی۔ پہاڑی ندی نالوں کی کثرت آبپاشی کے نظام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ جگہ جگہ صاف و شفاف پانی کے چشمے اور فوارے رواں تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اندلس کی ساری فضا میں خوشبو ہی خوشبو رچی بسی ہے۔

تاریخ کے اس اہم دور میں عربی حکمرانوں نے اسلامی خلافتِ قرطبہ کی یاد تازہ کر دی۔ انہوں نے تجارت کی خوب حوصلہ افزائی کی جس کی وجہ سے غرناطہ ایک دفعہ پھر اندلس کا خوشحال ترین شہر قرار پایا۔ الغالب نے اس خوبصورت شہر کی ملحقہ قریبی پہاڑی پر ایک پُرشکوہ محل تعمیر کروایا۔ جس میں دیدہ زیب آرائش و زیبائش کی گئی۔ اس میں عربی وضع کی نظر فریب مشجّر و مُطیّر آرائشی حاشیہ سازی کی گئی۔ یہ محل آج بھی الحمرا کے نام سے مشہور ہے اور جدید سیاحین کے لیے دیدۂ عبرت و بصیرت بنا ہوا ہے۔

غرناطہ کے ان عربی حکمرانوں کی سرپرستی، علوم و فنون کی وجہ سے کئی ماہرین نے دوبارہ دوبارہ کا رخ کیا۔ بہت سے یہودی پہلے ہی اس سرزمین پر آباد تھے۔ گو یہ فرقہ اقلیت میں تھا لیکن علم و حکمت کا امین سمجھا جاتا تھا۔ اندلس کی مسیحی ریاستوں سے خروج کر کے مسلمانوں نے بھی غرناطہ کی طرف ہجرت شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی ہی مدت میں غرناطہ کی آبادی لاکھوں تک پہنچ گئی۔

اندلس کے تمام مرکزی شہروں میں مختلف النسل باشندوں پر مشتمل مخلوط آبادی بسر اوقات کرنے لگی۔ اس آبادی کے مختلف گروہ حسب ذیل تھے:۔

(۱) شمالی اندلس کی طرف سے وارد ہونے والے مسیحی فاتحین۔

۲۔ اندلس کے مقامی مسیحی باشندے جنہوں نے عرب فاتحین کی آمد پر بھی مذہب اسلام

قبول نہیں کیا لیکن ان کی بود و باش، وضع قطع لباس و پوشاک حتیٰ کہ زبان و بیان پر بھی "عربیت" کا غلبہ تھا۔

۳۔ وہ مسلمان جن کے آباؤ اجداد عیسائی تھے لیکن انہوں نے مسلمان رہنا ہی پسند کیا۔

۴۔ وہ مسلمان جن کے آباء نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن مسیحی فاتحین کی آمد ثانی پر دوبارہ عیسائی بن گئے تھے۔

۵۔ وہ مراکشی آبادی جن میں زیادہ تر بربری النسل (مسلمان) تھے جو بہت جوشیلے اور پکے مسلمان تھے۔ اور

۶۔ وہ یہودی جنہوں نے اسلامی اندلسی تہذیب کی ترقی میں حصّہ لیا تھا۔

اس تفصیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے اس موڑ پر اندلس کی آبادی کس قدر متنوّع ہو گئی تھی۔ اس میں مختلف رنگ و نسل اور مذاہب کے لوگ آباد تھے۔ یہی عدیم النظیر عمرانی مرکب تہذیب کی ترقی کے لیے سب سے اہم اور موزوں تھا۔ شمالی یورپ کے تاریک قلعوں کی بنجر اور بے آب و گیاہ سرزمین سے وارد ہونے والی اس غیر شائستہ عیسائی حکمران جماعت نے مسلمانوں کی طرزِ زندگی کو بخوشی اختیار کر لیا تھا۔ بہرحال آبادی کا ایک حسین امتزاج وقوع پذیر ہوا جس نے خانہ بدوش یورپی قبائل عیسائیوں میں عربی حضری زندگی کی شائستگی اور فیوض و برکات کو جاری و ساری کر دیا۔

(۳)

اندلس اور صقلیہ میں مسلمانوں اور مسیحیوں کے اس قریبی اختلاط اور عمرانی مشارکت نے یورپ کے لیے قندیل کا کام کیا۔ انہی معاشرتی تعلقات سے یورپ کو یہ شعور حاصل ہوا کہ تہذیب کی ترقی کے لیے کن کن لوازمات اور ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہے۔ فن تہذیب کے حصول کے ساتھ ساتھ یورپ کو یہ آگہی بھی حاصل ہوئی کہ اس کو یہ لازماتِ تہذیب عاریتاً و مستعار سرزمین اندلس و صقلیہ سے ہی حاصل کرنے چاہئیں۔ تاریخ عالم گواہ ہے کہ پانچ صدیاں قبل مسلمانوں نے بھی بعینہٖ قدیم کلاسیکی دنیا کے علم و ادب کی بنیاد پر اپنی عظیم الشان تہذیب کی عمارت استوار کی تھی۔

ایک روشن خیال ہسپانوی مؤرخ و فلسفہ دان سالوے ڈار دی میڈری آگا (SALVADOR DE MADRIAGA) جو آجکل جلا وطنی کے دن گزار رہے ہیں، سچ لکھتے ہیں کہ "نویں سے گیارہویں صدی مسیحی تک مغربی تہذیب خالص اسلامی تہذیب تھی۔ تمام مسیحی دنیا جہالت کی عمیق گہرائیوں میں مستغرق تھی لیکن اسلام کا آفتاب تابناک بغداد اور قرطبہ پر سانس، آرٹ

سیاسیات، ثقافتی شائستگی اور تہذیبی پاکیزگی و نفاست اور علم و حکمت کی شعاعوں سے محوِ ضیا باری تھا۔ عین اسی عہد میں شمالی اندلس کا مسیحی حصّہ غیر شائستہ اور نیم مہذب ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان ریاستوں کو طاقتور اور مہذب خلفاءِ قرطبہ بہ نظرِ حقارت دیکھتے تھے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح صدیوں بعد مراکو کے مسلمان قبائل پر فرانسیسی نگاہِ حیرت پڑی تھی۔"

آگے چل کر میڈری آگا لکھتے ہیں کہ "اسلامی اندلس نے اپنے فیلسوف، ہیئت دان، ماہرین فلکیات، ماہرین ریاضیات، دست کار اور کاریگر، مورخین اور صوفیاء، شعراء اور ادباء کی کھیپ ساری دنیا میں پیش کی۔ اندلس کی ایک چھوٹی سی اسلامی سلطنت میں پانچ ہزار تکلے معروف کار تھے جو ہمہ وقت زربفت و کمخواب اور ریشم سے لے کر اون اور کپاس تک کے ریشوں سے کپڑے تیار کرتے رہتے اور پھر ایک دوسری اسلامی سلطنت کے وزیراعظم نے اپنی لائبریری میں چار لاکھ کتابیں جمع کر رکھی تھیں، یہ وہ دور تھا جب اندلس کی مشہور ترین مسیحی لائبریری خانقاہ ریپال (REPOLL) میں کل ایک سو بانوے جلدیں تھیں اور وہ اپنی اس حقیر سی پونجی پر نازاں تھی۔" (ملاحظہ ہو "سپین سالیک تاریخ جدید" از سیلوے ڈار میڈری آگا)۔

اسلامی ثقافت کا اثر و نفوذ صرف اندلس تک ہی محدود نہ تھا۔ دنیا کے اکثر ممالک سے مسیحی اور مختلف مذاہب کے لوگ عربی اندلس کے ہسپتالوں اور یونیورسٹیوں میں عموماً آتے رہتے تھے۔ اور میڈیکل سائنس، فلکیات و ریاضیات کے خزائن سے مالا مال ہو کر اپنے وطنوں کو واپس لوٹتے۔ خوش قسمتی سے عربی اندلس میں ان علوم کے حصول میں مذہبی تعصبات کی دیوار حائل نہ تھی۔ اس قسم کے ہزاروں زائرینِ علم و فن اندلس آتے تھے جن میں سے دو مسیحی راہب کریمونی گریگری (GREGORY OF CREMONA) اور باتھوی ایبے لارڈ (ABELARD OF BATH) بہت مشہور تھے۔

امر واقع یہ ہے کہ قرطبہ، طلیطلہ اور اشبیلیہ ایک ایک کر کے عیسائیوں نے فتح کر لیے تھے بہت سے یہودی طبیب جو اسلامی یونیورسٹی سے ملحق تھے، اطالیہ اور جنوبی فرانس کی طرف ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے نوزائیدہ مسیحی یونیورسٹیوں کے ملحقہ میڈیکل سکولوں میں طب کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔

اسلامی اندلس کے مسیحی فاتحین کو ان عربی ہسپتالوں اور یونیورسٹیوں کے علمی خزانوں کی اشد ضرورت تھی۔ کاغذ کی ایجاد اور کتابوں کی اشاعت نے علم کی دنیا میں ایک نئی لہر اور جذبہ پیدا کر دیا۔

اندلس اور یورپ کی غیر شائستہ اور غیر مہذب مسیحی دنیا میں اسلامی ثقافت کے ورود، ترویج اور ترقی میں اسلامی کتابوں کا بہت بڑا عمل دخل تھا۔ اسلامی اندلس نے اپنی لائبریریوں میں علمی و ادبی، فنی و تکنیکی علوم کے تاریخی سرمایہ کو یکجا جمع کر لیا تھا۔ اب ایسا خوش بخت دور شروع ہوا جس میں ان عربی نوادرات علمی کا لاطینی میں ترجمہ ہونا شروع ہو گیا۔ جلد ہی انسانی علم و حکمت کا یہ وسیع خزانہ عربی اندلس سے اطالیہ اور فرانس کے مسیحی ممالک میں اشاعت پذیر ہونے لگا۔ اس طرح جدید یورپی تہذیب کی تشکیل کا اہم تاریخی عمل شروع ہوا۔

(۴)

اندلس کی حیات اجتماعی پر اسلامی عربی ثقافت کے انمٹ نقوش کا آج بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ مسیحی اندلس کے عوام الناس کی زندگی پر عربوں کی عادات و خصائل، فنی صلاحیتوں اور ہنرمندیوں کا نہایت ہی گہرا اثر ہوا۔ بلاشبہ عربی خون آج بھی ہسپانوی مسیحیوں کی رگوں میں بڑی فراوانی سے موجزن ہے۔

ہسپانوی موسیقی پر عربی ثقافت کی گہری چھاپ ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جدید ہسپانوی موسیقی یورپی موسیقی سے نہیں زیادہ عربی موسیقی کے قریب ہے۔ جدید ہسپانوی موسیقی کی وجدانی تاثریت، رفتار (TEMPO) اور تال (RHYTHM) کی رعنائی اور ہسپانوی نغموں کی خوش الحانی (LILT) دراصل عربی موسیقی سے مشابہ ہیں۔ یورپ کے اکثر آلات موسیقی کے متعلق دعوے کیا جاتا ہے کہ وہ ہسپانوی الاصل ہیں۔ لیکن حقیقتاً "گیتار" (GUITAR) تو خالص عربی ایجاد تھی۔

پروفیسر ہٹی صاحب لکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے مسلمانوں کے غنائی نمونوں (LYRIC MODELS) کو من و عن قبول کر کے اپنا لیا تھا۔ عربی راگ اور عربی گیت سارے جزیرۂ اندلس میں مقبول و مشہور ہو گئے تھے۔ عربی ماہرین موسیقی اراگان اور کاسٹائل کے مسیحی درباروں کی زینت تھے۔ زوال غرناطہ کے کافی عرصہ بعد بھی عربی رقاص اور مغنی اندلس اور پرتگال کے مسیحی باشندوں کا دل بہلاتے رہے۔ ریبرا (RIBERA) کی جدید تحقیقات میں یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ تیرہویں صدی اور اس کے مابعد زمانہ میں اندلس کی ہر دلعزیز عربی موسیقی درحقیقت سارے جنوب مغربی یورپ میں مقبول عام ہو گئی تھی۔ اس موسیقی کے ماخذوں کی تلاش اندلس کی عربی موسیقی کے نمونوں میں کی جا سکتی ہے اور پھر عربی سے یہ سلسلہ ایرانی، بازنطینی اور یونانی موسیقی سے جا ملتا ہے۔ یاد رہے کہ یورپ و سپین کی غنائی شاعری اور تاریخی رومانی اور رزمیہ کہانیوں اور قصوں کی ابتدا بھی اندلس کی سرزمین سے ہی ہوتی ہے۔"

یہ تاریخی دور مسیحی ہسپانویوں کے لیے انتہائی برکت و سعادت اور خوشی و مسرت کا وارث ثابت ہوا۔

لگاتار جنگ و قتال کے بعد یہ مسیحی جنگجو آرام طلبی کی طرف مائل ہوئے اور وہ عربوں کے دلکشا و جانفزا اور شگفتہ و شادمان کلچر کی مسحور کن فضا اور ماحول میں بسنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ ان مسیحیوں نے عربی علوم و فنون کو اپنے اندر جذب کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ عربی ثقافت بہت ہی پُرمسرت اور لطیف تھی جس سے اندلس کے مسیحی اور مسلمان مساوی طور پر لطف اندوز ہو رہے تھے اور پرامن زندگی گزار رہے تھے۔

فلسطین سے خروج کے بعد یہودیوں نے پہلی دفعہ عربی ثقافت کے اسی عہد باسعادت میں انتہائی ترقی کی تھی۔ یہودی ثقافت بھی خوب پھلی پھولی۔ یہودیوں نے شاعری، فلسفہ اور سائنس میں بیش بہا اضافے کئے۔ یہودی عموماً خوشحال، پُرشکوہ اور شادمان زندگی بسر کر رہے تھے۔ عربی ثقافت کی سائنسی و علمی ترقیوں کے ساتھ ساتھ یہودیوں کے ثقافتی کارناموں کا شہرہ بھی یورپ کی مسیحی ریاستوں کے اکثر دارالخلافوں تک پہنچ گیا۔

(۵)

اندلس کی یہ مخلوط زندگی نہایت پُرلطف و پُرامن تھی اور اس میں کسی انتشار و نفاق کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ عربی، مسیحی اور یہودی آبادی میں باہمی رقابت کا نام و نشان تک نہ تھا۔ بلکہ یہ دور اپنی مجلد سعادتوں کے ساتھ ابدیت کو اپنے جلو میں لئے پیش قدمی کر رہا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد ان مخلوط النسل اور مختلف العقیدہ لوگوں کا نظریاتی اختلاف ایک مہیب عذاب بن گیا۔ جس نے سپین کی خوشگوار فضا کو یکدم مکدر کر دیا جس کے نتیجے میں یہ بہشت زار بدامنی کے اتھاہ غار میں جا گرا۔

مسیحی ریاست اراگان (ARAGON) کے فرڈی نینڈ (FERDINAND) نے دوسری مسیحی ریاست کاسٹائل (CASTILE) کی ملکہ ازابیلا (ISABELLA) سے ۱۴۶۹ء شمسی میں شادی رچائی تو اسلامی اندلس کا رہا سہا عربی اقتدار بھی خاک میں مل گیا۔ مقامی عربی حکمران اس نئی مسیحی طاقت کے مدمقابل نہ آ سکے۔ اس مسیحی "اراکسٹائلی اتحاد" نے عربی غرناطہ پر ۱۴۹۲ء شمسی میں حملہ کر کے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اس طرح اس نوپیدا متحکمران جوڑے نے ایک زبردست مسیحی ریاست کے قیام میں کامیابی حاصل کر کے سارے عربی اندلس پر قبضہ جما لیا۔

فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی سرکردگی میں جن مسیحی فاتحین نے اسلامی اندلس پر لشکر کشی کی تھی۔ ان میں مذہبی جوش و ولولہ اسی شدت سے پایا جاتا تھا جس طرح عربوں میں طلوع اسلام کے وقت تھا۔ یہ مسیحی اس قدر باہمت اور مہم جو ثابت ہوئے کہ انہوں نے جنوبی امریکہ تک مار دھاڑ کی اور وہاں بھی ایک عظیم ہسپانوی ثقافت قائم کر لی۔

عربوں کے جانشین یہ ہسپانوی مسیحی جس تاریخی دور میں سرزمین امریکہ پر جدید تہذیب و ثقافت کی بنیادیں استوار کر رہے تھے۔ عین اسی عہد میں اندلس کی اسلامی ثقافت کو تباہ و برباد کرنے میں بھی مصروف تھے۔ ان ہسپانوی مسیحیوں نے مذہبی تعصب اور مذہبی جوشِ انتقام کے جذبہ سے مغلوب ہو کر "محتسب کلیسائی عدالتیں" (INQUISITIONS) قائم کر ڈالیں۔ اس کے علاوہ مسلمان عربوں کو جبراً عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کیا گیا۔ جن مسلمانوں نے انکار کر دیا ان کے لیے ان "کلیسائی عدالتوں" نے جابرانہ سزاؤں کے احکامات جاری کر دیئے۔ کتب عربیہ کی اشاعت قانوناً روک دی گئی بلکہ بعض عربی مسودات نادرہ کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔

۱۵۵۶ عیسوی میں فلپ دوم کے عہد میں مسلمانوں پر سب سے بڑی افتاد یہ پڑی کہ مسیحی حکمرانوں نے یہ جابرانہ قانون نافذ کر دیا کہ کوئی مسلمان اپنی عبادت، زبان اور رسم و رواج پر عمل پیرا نہیں ہو سکتا۔ وہ عظیم الشان عوامی حمام جو آب رسانی کی سہولتوں کی وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں کی جسمانی طہارت کے لیے استعمال ہوتے تھے، تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ ان مذہبی انتقامی کارروائیوں کو قانونی شکل دینے کے بعد اگر کسی ہسپانوی باشندے کو غسل کرتے دیکھ لیا جاتا یا اس پر غسل لینے کا شائبہ بھی گزرتا تو "نئے مسیحی" کو محتسبانہ کلیسائی عدالت کے سامنے جوابدہ ہونا پڑتا تھا کیونکہ اس پر درپردہ ملحدانہ عقائد رکھنے کا الزام لگ جاتا۔

فلپ ثالث نے ۱۶۰۹ عیسوی میں اندلس سے مسلمانوں کے عملی اخراج اور جلاوطنی کے لیے احکام نافذ کر دیئے اس طرح بچے کھچے مسلمانوں کو جبری طور پر سرزمین اندلس سے نکال دیا گیا۔ سقوطِ غرناطہ ۱۴۹۲ عیسوی میں وقوع پذیر ہوا اس سانحۂ عظیم سے لے کر ۱۶۰۹ عیسوی تک کے طویل عرصہ میں مسلمانوں کے جبری خروج تک تین لاکھ جانیں ضائع ہوئیں۔ اکثر کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ کچھ جلاوطن کر دیئے گئے اور کئی عمر قیدی بنا لیے گئے۔ الفانسو دوازدہم، شاہِ کاسٹائل، تیرھویں صدی عیسوی میں عربی عالموں اور ماہرینِ فنون مختلفہ سے مربیانہ اور فیاضانہ سلوک کیا تھا۔ لیکن ۱۴۶۹ عیسوی کے "اتحادِ اراگسٹائل" (یعنی عقدِ فرڈی نینڈ اور ازابیلا) کی پالیسی جبر و اکراہ پر مبنی تھی بلکہ ظالمانہ و متعصبانہ تھی۔

اندلس سے عربوں کا عیسائیت کے نام پہ جبری خروج نسلی رقابت کا ایک عظیم المیہ بھی تھا۔ صورتِ حال کی یہ خرابی اس وقت اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی جب وزیر اعظم مسٹر لرما (LERMA) نے کلیسا کے ایما پر مختلف پادریوں سے سازباز کر کے بادشاہ کے کانوں میں یہ ڈالا کہ عربی النسل اندلسیوں (MORISCOS) کی جلاوطنی یعنی سرزمین اندلس سے مسلمانوں کا خروج اندلس ضروری ہو گیا ہے۔ اس پر مسیحی بادشاہ فلپ نے یہ تاریخی جواب دیا کہ "یہ فیصلہ بہت اہم اور عظیم ہے اس کو فوراً نافذ کر دیا جائے۔"

"تاریخ تہذیب عالم" میں پروفیسر ہگل یوں رقمطراز ہیں کہ مندرجہ بالا انسانیت سوز فیصلہ نہایت کمزوریوں

بربریت اور بہیمانہ ظلم و تشدد سے نافذ کیا گیا ہے۔ اندلس کے لاکھوں محنت کش عربی باشندے جنگلی وحشیوں کی طرح ملک سے باہر ہانک دیئے گئے۔ کیونکہ ان کی جبری تبدیلیٔ دین بھی عیسائی حکمرانوں کی نظر میں مشکوک اور مشتبہ تھی۔ یہ لوگ جب ساحل سمندر پر پہنچے تو اُن میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بعضوں کے مال و اسباب لوٹ کر بُری طرح مارا گیا۔ جو بچے کھچے ساحل پار کر گئے ان کی حالتِ زار ناقابلِ بیان تھی۔ بحری راستوں کو عبور کرتے وقت جہاز رانوں نے بھی ان مصیبت زدہ بے گناہوں پر مزید ظلم و ستم ڈھائے۔ مردوں کو ذبح کر دیا جاتا۔ عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی اور بچوں کو سمندر کے حوالے کر دیا جاتا۔"

اندلس سے عربوں کی جلاوطنی اور خروج کے تھوڑی دیر بعد یہودیوں کو بھی ملک سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہ المیہ بھی ٹھیک اسی طرح وقوع پذیر ہوا۔ جس طرح صدیوں پہلے خروج فلسطین کے وقت پیش آیا تھا۔ تاریخ میں دوسری دفعہ دنیا کی وسیع و عریض زمین پر "جہاں گرد یہودیوں" کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔

اسلامی تہذیب اس عظیم جاں گُسل اور جانکاہ المیہ سے دوبارہ جانبر نہ ہو سکی۔ اندلس کے یہ جلاوطن مسلمان مراکش کی سرزمین میں پناہ گزیں ہوئے لیکن مراکو کی فضا اور ماحول اندلسی مہاجرین کی اُس اسلامی ثقافت کی ترقی کے لیے ناموافق اور ناموزوں تھا، جس نے اندلس کے اقبال کو چار چاند لگا دیئے گئے۔ مراکو کے اس غیر مہذبانہ اور ناشائستہ ماحول نے ان اندلسی مہاجرین کو بحری قزاقی کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور یہی اندلسی مہاجرین صدیوں تک بحیرہ روم میں یورپی تجارت کے لیے ایک آفت بنے رہے۔

ثقافتِ اسلامیہ کی تباہی ایک طرف تو اسلام اور دوسری طرف اندلس کے لیے زبردست آفت ثابت ہوئی۔ مسلمانوں کی جواں ہمتی، جوانمردی اور دوسری مشقتانہ صلاحیتوں سے مسیحی زراعت بالکل محروم ہو گئی۔ نظامِ آبپاشی بالکل ناکارہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے یہ جنت نظیر خطۂ ارض نیم مزروعہ ٹکڑوں یا بنجر خطوں میں تبدیل ہو گیا۔ تمام فنون دم توڑ گئے۔ عربی زندگی کی نمایاں خصوصیات خوشی و مسرت، لطف و انبساط، چہل پہل، بے نیازی و بے فکری، صحت مند استفادۂ حیات کا احساس عام، یکسر معدوم ہو گئیں۔ اور یہ سب فیوض و برکات "کلیسائی احتسابی عدالتوں" کی تیرہ و تار پرچھائیوں میں محو ہو گئیں۔

اسلامی اندلس میں کان کنی وسیع پیمانہ پر ہوتی تھی جس سے کثیر آمدنی بھی ہوا کرتی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے خروج کے بعد اکثر کانیں خالی پڑی کی پڑی رہ گئیں بعض کانوں میں تھوڑا بہت کام ہوتا رہا جو نہ ہونے کے مترادف تھا۔ اسلامی ٹیکسٹائل کو بھی زوال آ گیا۔ صرف اشبیلیہ میں ہی تکلوں کی تعداد سولہ ہزار سے گھٹ کر تین سو تک آ پہنچی۔ طلیطلہ کی صنعتِ اون سازی بالکل ناکارہ ہو گئی۔ ریشم کی صنعت بھی ختم ہو گئی۔ حالانکہ اس صنعت نے چالیس ہزار انسانوں کو روزگار مہیا کر رکھا تھا۔ دستانوں کی صنعت میں اسلامی اندلس

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ توبہ

(۹)

۲۱- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

ما کان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی من بعد ما تبیّن لھم انھم اصحٰب الجحیم o وما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ فلما تبیّن لہ انہ عدو للّٰہ تبرأ منہ ان ابراھیم لاوّاہ حلیم o ۱۱۳-۱۱۴

مشرکین کے لیے استغفار کی ممانعت

'ما کان للنبی ... الآیہ' یہ مسلمانوں کو ایک نہایت خفی شائبہ شرک سے، جو نفاق کا ایک چور دروازہ ہے، پرہیز کرنے کی ہدایت ہے۔ وہ یہ کہ جن لوگوں پر حق پوری طرح واضح کیا جا چکا ہے اور جن سے اتمام حجّت کے بعد اعلان برأت ہو چکا ہے، پھر بھی وہ ایمان نہ لائے، ان کے لیے اہل ایمان مغفرت نہ مانگیں اس لئے کہ اس قسم کے معاندین، خدا کے غضب کے مستحق ہیں۔ ان کے لیے رشتۂ قرابت یا کسی اور رابطۂ محبت کی بنا پر رحمت کی دعا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حمیّت قرابت، حمیّت حق پر غالب ہے۔ آیت میں مشرکین کا لفظ یہاں مشرکین عرب کے لیے ہے جن سے اس سورہ میں، جیسا کہ آپ پیچھے تفصیل سے پڑھ آئے ہیں، نہایت آشکارا الفاظ میں اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان برأت ہو چکا ہے اور منافقین کی بڑی کمزوریوں میں سے یہ کمزوری بتائی گئی ہے کہ وہ ان سے اپنی قرابت اور دوستی کے روابط کاٹنے کے

لئے تیار نہیں ہیں۔ ان کے ساتھ تمام روابط ختم کر دینے کے بعد اہل ایمان کو یہ ہدایت ہوئی کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی نہ کی جائے۔ یاد ہو گا کہ اوپر یہی ممانعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کٹر منافقین کے باب میں بھی ہوئی ہے کہ آپ نہ ان کے لیے استغفار کریں نہ ان کی نماز جنازہ پڑھیں۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں ایک مرحلہ آتا ہے جب ان کو اور اہل ایمان کو کفار کے لیے ہدایت و مغفرت کی دعا سے بھی روک دیا جاتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ وقت بھی آتا ہے جب کہ ' رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا ' کے الفاظ بھی ان کی زبان سے ان کفار کے حق میں نکلتے ہیں۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اہل باطل کے ساتھ کوئی رعایت بھی اہل حق کا لگا رہنے نہیں دینا چاہتا تاکہ جو عذاب ان کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ اس کو بھگتنے کے لیے ہر امان سے محفوظ ہو جائیں۔ سورہ انفال میں ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ نبی اور اہل ایمان کی دعائیں ان کی قوم کے لیے امان کا کام دیتی ہیں۔ یہاں نبی اور اہل ایمان کو استغفار سے روک کر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو گویا آخری امان سے بھی محروم کر دیا۔

' ولو کانوا اولی قربی ' کے الفاظ سے یہ بات نکلتی ہے کہ نبی کے ساتھ بھی کسی کی رشتہ داری ایمان کے بغیر خدا کے ہاں کچھ کام آنے والی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد دوسرے رشتوں ناتوں کی کیا اہمیت باقی رہی۔

' من بعد ما تبین لھم انھم اصحب الجحیم ' کے الفاظ سے یہ بات تو واضح طور پر نکلتی ہے کہ جن کا جہنمی ہونا قطعی طور پر معلوم ہو چکا ہو ان کے لیے اہل ایمان کو استغفار کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس سے کسی کافر کے لیے ہدایت کی دعا کرنے کی ممانعت نہیں نکلتی اس لیے کہ آیت میں جن مشرکین کا ذکر ہے ان کا جہنمی ہونا خود اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا۔ رسول کے بعد کسی کے باب میں قطعی طور پر اس بات کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ ہدایت نہیں اختیار کرے گا، لازماً جہنمی ہی ہو گا۔ اس وجہ سے ایسے لوگوں کی ہدایت کی دعا کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کفر ہی پر مرا ہے تو اس کے لیے نجات کی دعا نہیں کرنی چاہیے اس لیے کہ اس سے ایمان کی بے وقعتی اور خدا کے قانون عدل کی نفی ہوتی ہے جس سے احتراز اہل ایمان کے لیے لازمی ہے۔

ممانعت کے حدود

' وما کان استغفار ابراھیم .... الآیۃ ' یہ ایک غلط فہمی کا ازالہ ہے یعنی کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جب حضرت ابراہیم نے اپنے کافر باپ کے لیے مغفرت کی دعا کی تو آخر وہ اپنے کافر عزیزوں کے لیے استغفار کیوں نہیں کر سکتا؟ فرمایا کہ ابراہیم نے جو کچھ کیا وہ محض ایک وعدے کا ایفا تھا۔

حضرت ابراہیم کے استغفار کی حقیقت

جو وہ اپنے باپ سے کر چکے تھے۔ پھر یہ اس وقت کا معاملہ ہے جب ان پر یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی کہ باپ فی الحقیقت اللہ کا دشمن ہے۔ جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی، انہوں نے اس سے اعلان برأت کر دیا۔ قرینہ دلیل ہے کہ یہاں واضح ہونے سے مراد یہ ہے کہ اتمام حجت کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو آگاہ فرما دیا کہ بس اب اس کا پیچھا چھوڑ دو، یہ ایمان لانے والا نہیں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ سے وعدہ

حضرت ابراہیمؑ کے جس وعدے کا یہاں حوالہ ہے وہ قرآن میں کئی جگہ مذکور ہے۔ سورہ مریم میں ہے۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ	اس نے کہا، اچھا، السلام علیکم،
لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا	میں آپ کے لیے اپنے رب سے معفرت
۴۷ - مریم	مانگوں گا - وہ میرے حال پر بڑا مہربان ہے۔

اس سے وعدے کی غایت درجہ اہمیت واضح ہوتی ہے۔ آدمی اگر کسی سے کوئی وعدہ کر بیٹھے، خاص طور پر دعا و استغفار کا، تو حد جواز و امکان کے اندر اس کو ضرور پورا کرے۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعریف

"ان ابراھیم لاواہ حلیم"۔ اواہ کے معنی کثیر التأوہ یعنی دردمند، غم خوار اور رقیق القلب کے ہیں اور حلیم کے معنی بردبار کے ہیں۔ یہاں ان الفاظ سے حضرت ابراہیمؑ کی تعریف دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی باپ کے معاملے میں دردمندی اور بردباری بہت پسند آئی۔ اوپر سورہ مریم کی جس آیت کا حوالہ ہم نے دیا ہے اس کے پیش و عقب کو قرآن میں پڑھیے تو معلوم ہوتا ہے کہ آذر نے اس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نہایت سنگدلانہ برتاؤ کیا تھا لیکن سعادت مند بیٹے نے نہایت حلم و بردباری سے نہ صرف باپ کی جھڑکی اور دھمکی برداشت کی بلکہ غایت دردمندی کے ساتھ اس کے لئے دعا و استغفار کا وعدہ بھی کر لیا۔ غور کیجیے کہ ایک ایسے دردمند اور حلیم بیٹے نے جب باپ سے اعلان برأت کیا ہو گا تو جگر پر کتنا بھاری پتھر رکھ کر کیا ہو گا؟ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ اس کی محبت میں موم بھی بنے اور پتھر بھی اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دل کے یہ دونوں پہلو نمایاں کئے اور یہی صحیح نمونہ ہے دین کے خدمت گزاروں کے لیے۔ جب تک ان کے سینہ میں دردمند دل نہ ہو خلق کی ہدایت کے لئے ان کا اٹھنا بے سود اور جب تک عزم میں لوہے کی صلابت اور پہاڑ کی استقامت نہ ہو دین کے لیے ان کا وجود بالکل ناکارہ!!

"وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذ ھدٰھم حتی یبین لھم ما یتقون .... الآیۃ"۔ یہ آیت یوں تو اس عام سنت الٰہی کا بیان بھی ہو سکتی ہے جو قرآن میں بار بار مذکور ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو بھی گمراہی کے حوالہ کرتا ہے اتمام حجت اور توضیح حق کے بعد ہی کرتا ہے اس وجہ سے اس

طرح کے لوگ اس ہمدردی کے سزاوار نہیں ہیں کہ ان کے لیے استغفار کیا جائے لیکن میرا ذہن 'بعد اذ ھداھم' کے الفاظ سے بار بار اس طرف جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ خدا نے تمہیں صراطِ مستقیم کی ہدایت دینے کے بعد اس راہ کے مسافر کو جن خطرات سے ہوشیار رہنا چاہیئے ان سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم ان خطرات سے بچو۔ اگر تم نہ بچے تو راہ پاکر اس سے بھٹکنے کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی اللہ ایسے لوگوں کو گمراہی کے لیے چھوڑ دیا کرتا ہے۔ گویا یہ اس ممانعت کی تاکید ہوئی جو مشرکین کے لیے استغفار کے باب میں مسلمانوں کو اوپر والی آیت میں کی گئی ہے۔ یہ بات ہم اوپر واضح کر چکے ہیں کہ جن کی حق دشمنی واضح ہو چکی ہے ان کے ساتھ کوئی ذہنی اور قلبی لگاؤ بسا اوقات آدمی کے لیے فتنہ بن جایا کرتا ہے۔ یہی لگاؤ بالتدریج ترقی کرتے کرتے بالآخر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اصول و عقائد نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور خون و نسب کا تعلق تمام حقائق پر غالب آجاتا ہے۔ آج جو لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہونے کے باوجود نحن ابناء النصاریٰ کا نعرہ لگاتے ہیں یا محمد بن قاسم کی بجائے راجہ داہر پر فخر کرتے ہیں، وہ اسی فتنہ کا شکار ہوئے ہیں۔

'ان اللہ بکل شیئ علیم' بھی اسی تنبیہ کا جزو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ظاہر و باطن ہر چیز سے آگاہ ہے جس کے اندر بھی شرک و کفر کے ساتھ کوئی لوث اور لگاؤ ہوگا وہ خدا سے مخفی نہیں رہے گا۔

'ان اللہ لہ ملک السموٰت ..... الآیۃ' یہ توحید کی آیت ہے اور یہ اوپر والے مضمون ہی کی تاکید ہے۔ یہ تاکید در تاکید اسی لیے ہے کہ شرک کا ہر شائبہ مسلمانوں کے اندر سے یکقلم ختم ہو جائے۔

لقد تاب اللہ علی النبی والمھاجرین والانصار الذین
اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق
منھم ثم تاب علیھم انہ بھم رؤوف رحیم ۝ ۱۱۷

'تاب یتوب، توبۃ' کے معنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کے ہیں لیکن جب اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور صلۂ علیٰ کے ساتھ آئے تو، جیسا کہ دوسرے مقام میں ہم واضح کر چکے ہیں، یہ رحمت کے مضمون پر بھی متضمن ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا مفہوم کسی پر رحمت کی نظر کرنے کا ہو جاتا ہے جس کے لازم معنی بندے کی توبہ قبول کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔

اب یہ قبولیت توبہ کی اس عام بشارت کا اعلان ہو رہا ہے جو اس سورہ کی تنبیہات و تحذیرات کے بعد رحمت کی گھٹا بن کر ان لوگوں کے لیے برسی جنہوں نے اپنے آپ کو اس کا سزاوار ثابت کیا۔ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کہ اس سورہ نے وقت کے پورے اسلامی معاشرہ کو چھانٹ کر اس کو خس و خاشاک سے

بالکل پاک صاف کر دیا۔ اس تطہیر و تنقید کے بعد تمام عناصر فاسدہ چھٹ کر الگ ہو گئے۔ صرف وہ لوگ بچ رہے جو زر خالص کی حیثیت رکھتے۔ ان میں سے اگر کسی کے دل پر وقتی طور پر کوئی غبار آ گیا تھا تو اس کو بھی، توبہ کی اس منادیٔ عام سے بیدار ہو کر، لوگوں نے دعا و استغفار کے آنسوؤں سے دھو لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی توبہ کی قبولیت کی بشارت سنادی۔

نبی صلعم کے ذکر کی نوعیت

اس فہرست میں سرفہرست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اس لیے کہ اس پاکیزہ معاشرہ کے گل سرسبد حضورؐ ہی تھے۔ اس سیاق میں آپ کے ذکر کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ سے کوئی اس طرح کی غلطی صادر ہوئی تھی جس طرح کی غلطی بعض دوسرے لوگوں سے صادر ہوئی بلکہ حضورؐ اپنی طبعی رأفت و رحمت کی بنا پر اب تک منافقین کے باب میں جو نرمی و چشم پوشی برتتے تھے، جس کی طرف ’عفا اللہ عنک لم اذنت لھم .... الآیۃ‘ اور بعض دوسری آیتوں میں اشارہ گزرا، یہ اس طرح کی چشم پوشیوں کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دامن عفو و رحمت میں جگہ دی۔ ہم دوسرے مقام میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام چونکہ حق و عدل کی کسوٹی ہوتے ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی ان مسامحتوں پر بھی گرفت اور ان کی اصلاح فرماتا ہے جو اگرچہ ظہور میں تو آتی ہیں جذبہ خیر سے لیکن وہ اس معیار مطلوب سے متنجی نہ ہوتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔

اسلامی معاشرہ میں فرق مراتب کی بنیاد

دوسرے درجہ پر اس میں مہاجرین اور پھر انصار کا ذکر آیا ہے۔ اس سے ایک طرف تو اسلامی معاشرہ میں فرق مراتب کی ترتیب واضح ہوتی ہے کہ اس معاشرہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اونچا درجہ مہاجرین کا ہے، اس کے بعد انصار کا ہے، دوسری طرف ’الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ‘ کے الفاظ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلامی معاشرہ میں فرق مراتب کی بنیاد خاندان، نسب یا مال و جاہ پر نہیں بلکہ تمام تر اتباع رسول اور خدمت اسلام پر ہے۔ جو لوگ اس صف خاص میں سب سے اونچے ہوئے وہ معاشرہ میں سب سے اونچے قرار پائے قطع نظر اس سے کہ وہ کس خاندان اور گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دنیوی اسباب و وسائل کے اعتبار سے ان کا حال کیا ہے اور کیا رہا ہے۔

مہاجرین و انصار کے ایمان کی خصوصیت

’ساعۃ العسرۃ‘ کے الفاظ سے اصلاً تو تبوک کی مہم کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ وہ، جیسا کہ سیرت و مغازی کی کتابوں سے واضح ہے، نہایت مشکل حالات میں پیش آئی تھی لیکن اس میں ایک جامع اشارہ ان مشکلات و مصائب کی طرف بھی ہے جن سے مہاجرین و انصار کو، شروع سے لے کر اب تک، برابر گزرنا پڑا تھا۔ ان الفاظ کا حوالہ ایک تو اس حقیقت کو واضح کر رہا ہے کہ اصل ایمان ان کا ایمان ہے جو مصائب و شدائد کی کسوٹیوں پر جانچے اور پرکھے جا چکے ہوں۔ دوسری بات اس سے یہ نکلی کہ دراصل

مہاجرین و انصار کے ایمان کی یہی خصوصیت ہے جو ان کے لیے سفارش بنی کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی نظر اور ان کی توبہ قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وفادار و جاں نثار بندوں کو توفیق خیر سے محروم نہیں فرماتا۔ جب ان سے کوئی کمزوری صادر ہو جاتی ہے، ان کے دل میں وہ توبہ کی بے قراری پیدا کرتا ہے، پھر وہ توبہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر انداز صرف ان کو کرتا ہے جو صرف زبان سے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں، اس راہ میں کوئی چوٹ کھانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

"من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منھم" کے الفاظ سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ مہاجرین و انصار کا سواد اعظم ہر قسم کے مصائب و شدائد کے باوجود ہر دور میں حق پر ثابت قدم اور استوار رہا۔ ان میں سے صرف ایک چھوٹے سے گروہ سے تبوک کے موقع پر کچھ کمزوری صادر ہوئی لیکن تنبیہ کے بعد وہ بھی متنبہ ہو گئے، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی توبہ قبول فرمائی۔

"وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا ط حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ط ثم تاب علیھم لیتوبوا ط ان اللہ ھو التواب الرحیم۔ ۱۱۸

"وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا" قبولیت توبہ کی عام بشارت کے بعد جو اوپر مذکور ہوئی، یہ ان تین آدمیوں کی قبولیت توبہ کی بشارت ہے جن کا معاملہ آیت ۱۰۶ میں آئندہ کے لیے ملتوی کر دیا گیا تھا۔

ان تین صاحبوں کو بشارت جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا

"حتی اذا ضاقت علیھم الارض" یعنی جب توبہ کے لئے ان کے اندر دل کی وہ خستگی اور بے قراری پیدا ہو گئی جو رحمت الٰہی کو متوجہ کرتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ بھی قبول فرمائی۔ "ضاقت علیھم الارض بما رحبت" سے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو ان لوگوں کو پیش آئے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے پچاس دن ان لوگوں پر ایسے گزرے کہ ہر شخص نے ان سے آنکھیں پھیر لیں، بیگانے بیگانے بن گئے۔ عزیزوں، رشتہ داروں، اور بچپن کے ساتھیوں تک نے اس طرح بے رخی اختیار کر لی گویا کبھی آشنا ہی نہ تھے، یہاں تک کہ بیوی بچے بھی غیر بن کے رہ گئے، مدینہ وہی تھا، اس کی وسعتیں اور برکتیں بھی وہی تھیں، دلوں میں اسلام نے مہر و محبت اور اخوت و ہمدردی کی جو تخم ریزی کی اس کی فصل بھی شباب پر تھی، لوگ آپس

معتوبین کے ساتھ معاشرہ کا برتاؤ

میں ملتے جلتے، کھاتے پیتے، ایک دوسرے کے لیے جاں نثاریاں اور غمگساریاں کرتے، صرف یہ تین شخص ایسے تھے جن کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا اس لیے کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے معتوب تھے۔ خدا کی زمین میں آدمی کے لیے بڑی وسعت ہے بشرطیکہ لوگوں کے دلوں کے دروازے اس کے لیے کھلے ہوئے ہوں۔ لیکن جب لوگوں کے دلوں ہی کے دروازے اس کے لئے بند ہو جائیں تو زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود اس کے لیے ایک زنداں بن کے رہ جاتی ہے۔ ان تینوں صاحبوں کے لیے مدینہ کی سرزمین کا یہی حال ہو گیا تھا اور یہ حالت دن دو دن نہیں بلکہ، جیسا کہ اوپر گذرا، پورے پچاس دن قائم رہی۔

ان کے اپنے دلوں کا حال

'وضاقت علیہم انفسہم'۔ اوپر کے ٹکڑے میں اس حالت کی تصویر ہے جو ان لوگوں کو اپنے سے خارج کی دنیا میں پیش آئی۔ اس ٹکڑے سے خود ان کے باطن کا حال واضح ہو رہا ہے جس طرح باہر کی دنیا میں ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی اسی طرح خود ان کے اپنے باطن میں بھی ان کے لیے کوئی جائے پناہ باقی نہیں رہی تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ باہر کی فضا خواہ کتنی ہی گھٹی ہوئی ہو آدمی کا اپنا دل اپنے رویّے پر مطمئن ہو تو وہ خلق کی بے مہری سے زیادہ برداشتہ خاطر نہیں ہوتا۔ وہ اپنے باطن میں امن و سکون کا کوئی گوشہ تلاش کر ہی لیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ خدا اور رسول کی ناراضگی پر ایک لمحہ کے لیے بھی صبر کرنے والے نہیں تھے چہ جائیکہ پورے پچاس دن اس حالت میں ان پر گزر جائیں کہ مدینہ کے در و دیوار شاہد ہوں کہ اللہ اور رسول ان سے ناراض ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو ان کے لیے اس سے بڑے غم و اندوہ کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کا حال یہ ہوا کہ باہر کی دنیا ان سے جتنی بیزار تھی اس سے زیادہ یہ لوگ خود اپنے وجود سے بیزار تھے۔ اندازہ کیجیے کہ کیا حال ہوا ہو گا ان لوگوں کی دل شکستگی کا جن کو نہ تو باہر سے کوئی امید کی کرن نظر آ رہی ہو اور نہ خود اپنا ہی دل کسی طرح تسلی قبول کرنے کے لیے تیار ہو۔

خدا کی گرفت سے خدا ہی کی پناہ

'وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ'۔ یہ ان لوگوں کے دل کی حالت کی ٹھیک ٹھیک تعبیر ہے کہ جتنی ہی شدت کے ساتھ ان لوگوں پر عتاب ہوا اتنی ہی بے قراری کے ساتھ ان لوگوں نے اپنے آپ کو خدا کے آگے ڈال دیا کہ جب گرفت خدا کی طرف سے ہے تو اس سے پناہ صرف وہی دے سکتا ہے۔ چنانچہ روایات سے واضح ہوتا ہے کہ تین میں سے دو صاحبوں نے تو بالکل ہی خانہ نشینی اختیار کر لی۔ راتیں دن گریہ و زاری اور توبہ استغفار کے سوا ان کا کوئی کام ہی نہیں رہ گیا۔ تیسرے صاحب اگرچہ کسی کسی وقت باہر نکلتے لیکن صرف اس امید میں کہ شاید کسی گوشے سے خدا اور رسول کی رضا کی کوئی مہک آ جائے۔ اگر ان کے اندر نفاق کا کوئی جرثومہ ہوتا تو جب یہ خدا اور رسول کی طرف سے پھینک گئے تھے، کسی اور کی پناہ ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے لیکن یہ راسخ الایمان لوگ تھے اس وجہ سے ٹھیک اس بچے کی طرح جو ماں کی جھڑکی سے سہم کر خود اسی سے چمٹتا ہے، یہ خدا کے عذاب سے بچنے کے لیے خدا ہی کی طرف

بھاگے، نہ کوئی جھوٹا عذر پیش کیا، نہ دوسروں سے مل کر کوئی سازباز کرنے کی کوئی کوشش کی۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک صاحب۔ کعب بن مالکؓ۔ کے پاس انہی دنوں شاہ غسان کا قاصد خط لے کر آیا کہ "ہم نے سنا ہے کہ تمہارے صاحب نے تم پر ستم توڑ رکھا ہے، تم کوئی حقیر اور ضائع کئے جانے کے لائق آدمی نہیں ہو، تم ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے۔" تو انہوں نے اس خط کو چاک کر کے چولہے میں جھونک دیا۔ اس لئے کہ کعب بن مالکؓ اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے کہ خدا کی گرفت سے بندہ صرف خدا ہی کی رحمت سے چھوٹ سکتا ہے، شاہ غسان اس سے نجات نہیں دلا سکتا۔ درحقیقت یہی عقیدہ روح ایمان اور مغز توحید ہے۔ بندہ اس عقیدے کے ساتھ، خدا کی کسی گرفت پر، اپنے آپ کو خدا ہی کے آگے ڈال دیتا ہے تو اس کی رحمت پہلے سے بڑھ کر اس کے لیے جوش میں آتی ہے۔

'ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم' یعنی جب ہجر و فراق کی یہ سختیاں جھیل کر ان کے دل اچھی طرح گداز ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کی نظر فرمائی اور ان کو سچی اور خالص توبہ کی توفیق بخشی۔ 'لیتوبوا' فعل یہاں اپنے حقیقی اور کامل معنی میں ہے۔ جہاں تک اعتراف گناہ کا تعلق ہے وہ تو، جیسا کہ پیچھے گزرا، ان لوگوں نے پہلے بھی کر لیا تھا لیکن اس وقت ان کی توبہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کی وجہ جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں، یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات کو اپنی سابقہ دینی خدمات پر اعتماد تھا اس وجہ سے ان کو نہ تو اپنی غلطی کی سنگینی کا صحیح صحیح اندازہ ہی ہو سکا اور نہ ان کے اندر وہ سچی تڑپ اور بے قراری ہی پیدا ہو سکی جو ان کے مرتبہ کے شایان شان تھی۔ آدمی سے توقع اس کے درجے اور مقام کے اعتبار سے کی جاتی ہے۔ ہر ایک کی وفاداری ایک ہی پیمانے سے نہیں ناپی جاتی۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمائش کے ایک سخت کورس سے گزارا تاکہ ان کو بھی اور ان کے واسطے سے دوسرے اہل ایمان کو بھی یہ تربیت حاصل ہو کہ سچی توبہ کے لیے دل کی کس درجے کی خستگی اور کس نوعیت کی بے قراری اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔

سچی توبہ کے لیے کیسی بے قراری

'تاب علیھم لیتوبوا' سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ توبہ کی ابتدا اصلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ وہی پہلے بندے کے دل میں رجوع الی اللہ کا جذبہ پیدا کرتا ہے، پھر جب بندہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوبارہ اس پر رحمت کی نظر فرماتا اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ اگر اس کے اندر ایمان ہو تو ہر گناہ پر اس کا دل کڑھتا اور آزردہ ہوتا ہے اور ایک احساس ندامت کے ساتھ اس کے اندر اپنے رب کی طرف رجوع ہونے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اگر آدمی

توبہ کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے

اپنے اس جذبے کے مطابق عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل اور زبان پر وہ الفاظ اور کلمات بھی جاری فرما دیتا ہے جو اس کو پسند ہیں اور جن کو وہ شرف قبولیت بخشتا ہے۔ اس سے محروم صرف وہ بدقسمت لوگ رہتے ہیں جن کا ضمیر کند اور جن کا ایمان مردہ ہو جایا کرتا ہے۔ ایسے لوگ خدا سے بے پروا ہو جایا کرتے ہیں جس کی سزا ان کو یہ ملتی ہے کہ خدا بھی ان سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ آدمؑ و ابلیس کی سرگزشت، جو سورۂ بقرہ میں بیان ہوئی ہے، وہ اس کی نہایت حقیقت افروز مثال ہے۔ آیت فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ ۳۷۔ بقرہ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین ۱۱۹

تطہیر و تزکیہ کا غسل دینے کے بعد اب یہ مسلمانوں کو بعض ہدایات دی جا رہی ہیں جن پر عمل کر کے وہ آئندہ اپنے آپ کو کفر و نفاق کی آلودگیوں سے پاک صاف رکھ سکتے ہیں۔

راستبازوں کی صحبت اختیار کرنے کی ہدایت

پہلی ہدایت یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور راستبازوں کی صحبت و معیت اور راسخ الایمان اور کامل الحیاء لوگوں کی رفاقت اختیار کرو۔ صحبت و معیت کو آدمی کے بنانے اور بگاڑنے میں بڑا دخل ہے۔ اگر آدمی کا رہنا سہنا اٹھنا بیٹھنا، کافروں، منافقوں اور جاہلوں کے ساتھ ہو تو کمزور تو درکنار بسا اوقات مضبوط آدمی بھی کچھ کچھ ان کا اثر قبول کر ہی لیتا ہے۔ اسی طرح راسخ الایمان اور راسخ العقل لوگوں کے فیض صحبت سے کمزور آدمی کے اندر بھی اپنی کمزوریوں پر غالب آنے کا حوصلہ پیدا ہو جایا کرتا ہے اور وہ بالتدریج ان کے زمرے کا آدمی بن جاتا ہے۔

صحبت اور معیت کی اسی اہمیت کے سبب سے ان لوگوں کو جو دار الکفر میں پڑے ہوئے تھے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آنے کا حکم ہوا اور ان مسلمانوں کو جو مدینہ کے اطراف کے دیہاتوں میں آباد تھے یہ ہدایت ہوئی کہ ان کی جماعتیں برابر باری باری حصول تعلیم و تربیت کے لیے مدینہ آتی رہیں تاکہ ان کا ربط نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے ساتھ قائم رہے۔ پچھلے منافقین اور اعراب کے جو حالات بیان ہوئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روحانی و اخلاقی بیماریوں میں بڑا دخل ان کے خراب ماحول کا تھا۔ اس وجہ سے اصلاحی تدابیر میں سب سے زیادہ اہمیت کی چیز یہ بات بیان ہوئی کہ لوگ اللہ سے ڈرتے رہیں اور راست بازوں کی صحبت و رفاقت کا التزام کریں۔ خدا کا خوف دل کا پاسبان ہے۔ وہ اندر سے انسان کی حفاظت کرتا ہے اور راست بازوں کی صحبت باہر سے اس کو شیطان کے مقابل میں کمک پہنچاتی ہے۔ 'صادقین' کا لفظ یہاں خاص طور پر نگاہ میں رکھنے کا ہے۔ ہم دوسرے مقام میں اس لفظ کی حقیقت واضح کر چکے ہیں۔ اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے قول اور عمل میں پوری پوری مطابقت ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ یہ لفظ منافقین کا ضد ہے۔

ما کان لاھل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب ان

يتخلفوا عن رسول الله ولا يرغبوا بانفسهم عن نفسه ۚ ذلك
بانهم لا يصيبهم ظمأ ولا نصب ولا مخمصة في سبيل الله ولا
يطئون موطئا يغيظ الكفار ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم
به عمل صالح ۚ ان الله لا يضيع اجر المحسنين ۝ ولا ينفقون
نفقة صغيرة ولا كبيرة ولا يقطعون واديا الا كتب لهم ليجزيهم
الله احسن ما كانوا يعملون ۝ ۱۲۰ - ۱۲۱

اوپر کے مضمون کی تاکید مزید

یہ بھی اوپر والے مضمون ہی کی تاکید مزید یعنی صادقین کی رفاقت و معیت اختیار کرنے کے لیے کمزور مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے کہ ہر چند اس راہ میں آزمائشیں، مشکلات اور خطرات ہیں لیکن حق کی راہ میں جس مشکل اور خطرے سے بھی بندہ گزرتا ہے، جو چوٹ بھی وہ کھاتا ہے، جو چرکا بھی وہ دشمن کو لگاتا ہے، ہر ایک کے بدلے میں اس کے کھاتے میں ایک عمل صالح درج ہوتا ہے اور جزا کے دن ہر شخص اپنے ہر عمل صالح کا بہتر سے بہتر صلہ پائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کا معاملہ اپنی راہ میں دکھ اٹھانے والوں کے ساتھ یوں ہے تو اہل مدینہ اور اعراب میں سے کسی کے لیے زیبا نہ تھا کہ وہ اللہ کے رسول کا ساتھ دینے سے ہچکچاتا اور اپنی جان کو ان کی جان کے مقابل میں اہمیت دیتا۔ اور نہ آئندہ یہ کسی کے لیے جائز ہے کہ راہ حق کے خطرات اور اندیشوں سے ڈر کر حق اور حق پرستوں کا ساتھ چھوڑ کر باطل اور باطل پرستوں ہی کا ہم سفر بن جائے۔

اعمال کی مقبولیت کے لیے ایک شرط

'ان الله لا يضيع اجر المحسنين' میں لفظ 'محسنین' اس شرط کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو اللہ کے ہاں ان اعمال کی مقبولیت کے لیے ضروری ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ یہ اعمال 'احسان' یعنی پوری خوبی کے ساتھ صرف اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے انجام دیئے جائیں، کسی اور غرض کا کوئی شائبہ اس میں شامل نہ ہو۔

'ولا يطئون موطئا يغيظ الكفار' سے مراد اس طرح کے اقدامات ہیں جو دشمن کے حوصلے کو پست کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں جن سے ان کے دل کو صدمہ پہنچتا اور اہل حق کے حوصلے کی ان پر دھاک بیٹھتی ہے۔

وما كان المؤمنون لينفروا كافة ۚ فلولا نفر من كل فرقة منهم
طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون ۝ ۱۲۲

تفقہ فی الدین کا ایک ذریعہ

یہ بات بھی صادقین کی معیت و رفاقت ہی کے سلسلہ میں ارشاد ہوئی ہے۔ اوپر آیت ۹۷ میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ اعراب نے نبی ؐ اور صالحین کی صحبت بہت کم اٹھائی ہے، وہ حلال و حرام کی حدود سے بے خبر

ہیں ۔ اس وجہ سے کفر و نفاق کی بیماری کا حملہ ان پر آسانی سے ہو جاتا ہے ۔ اب یہ ان کو اس کمزوری کے علاج کی طرف توجہ دلائی کہ ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پیغمبرؐ اور صحابہؓ کی صحبت سے مستفید ہونے کی سبیل نکالنے کی کوشش کرنی تھی ۔ اگر سب لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر مجلس نبویؐ میں نہیں پہنچ سکتے تھے تو ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ ہر گروہ میں سے ایک جماعت علم دین میں فہم و بصیرت حاصل کرنے کے لیے مجلس نبویؐ میں حاضر ہوتی تاکہ وہاں سے مستفید ہو کر اپنی قوم کو بھی اس سے مستفید کرتی ۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اب تک اس میں کوتاہی ہوئی ہے تو اب اس کا اہتمام کیا جائے اور ہر بستی سے لوگ باری باری مدینہ آئیں، دین سیکھیں اور سمجھیں اور پھر اپنی قوم میں واپس جا کر لوگوں کو بتائیں اور سکھائیں ۔ اس طرح دیہات کے لوگ اپنے گھر در اور مال مویشی کی دیکھ بھال بھی کر سکیں گے اور نبیؐ اور صحابہؓ کے فیوض صحبت سے بھی مستفید ہو سکیں گے ۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے بعض صحابہؓ نے مجلس نبویؐ میں حاضری کے لیے باریاں مقرر کر رکھی تھیں ۔ اس طرح وہ اپنے باہمی تعاون سے اپنے کام کاج بھی جاری رکھتے اور مجلس نبویؐ کے فیوض و برکات سے بھی فائدہ اٹھاتے ۔

اسلام میں تعلیم کا اصل مقصد

آیت میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے 'تفقہ فی الدین' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں دین میں فہم و بصیرت حاصل کرنا اور تعلیم دینے کے لیے 'انذار' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ڈرانے، ہوشیار کرنے اور خاص طور پر آخرت کی زندگی کی تیاریوں کے لیے بیدار کرنے کے لیے ہیں ۔ یہ دونوں لفظ، اسلام میں تعلیم کا جو اصل مقصد ہے، اس کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں ۔ اسلام میں تعلیم و تعلّم کا اصل مقصد دین میں بصیرت حاصل کرنا اور آخرت کی فلاح کے لیے اپنی اور دوسروں کی تربیت کرنا ہے، باقی چیزیں سب ثانوی حیثیت رکھتی ہیں اور اسی نصب العین کے تابع ہیں ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا قاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظۃ ط واعلموا ان اللہ مع المتقین ۔ ۱۲۳

سورہ کے مضمون کا خلاصہ

یہ آیت پوری سورہ کے اصل مضمون کا خلاصہ ہے ۔ اس سورہ میں، جیسا کہ آپ نے دیکھا، کفار و مشرکین پر اتمام حجت ہو جانے کے بعد ان سے اعلان برأت اور ان کے خلاف عام اعلان جنگ ہے ۔ آیات ۲۳ - ۲۴ کے تحت یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ منافقین اپنے پاس پڑوس کے کفار و مشرکین سے عزیزانہ دوستانہ روابط اور دوسرے کاروباری مفادات وابستہ رکھنے کے سبب سے، اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ ان سے جنگ کریں یا اپنے تعلقات ان سے یک قلم ختم کر لیں ۔ ان کی اس منافقت کی اچھی طرح قلعی کھولنے اور ایمان، تقویٰ اور صداقت کے حقیقی مقتضیات تفصیل سے واضح کر دینے کے بعد اب یہ دین کا اصل مطالبہ ان کے سامنے پھر رکھ دیا گیا ہے ۔ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن قرینہ بتا دے رہا ہے کہ روئے سخن

ان ہی کی طرف ہے۔ فرمایا کہ "قاتلوا الذین یلونکم من الکفار" یعنی جو کفار تمہارے پاس پڑوس اور گرد و پیش میں ہیں ان سے جنگ کرو۔ گرد و پیش کے کفار جس طرح تمہاری دعوت ایمان و ہدایت کے سب سے زیادہ حقدار تھے اسی طرح اب، اللہ اور رسول کی طرف سے اتمام حجت اور اعلان جنگ کے بعد، تمہاری تلواروں کے بھی سب سے زیادہ سزاوار وہی ہیں۔ جو لوگ قرابت داری، دوستی اور اپنے دینوی مفاد کی خاطر ان کے معاملے میں مداہنت برتیں گے، وہ، جیسا کہ آیت ۲۳ میں فرمایا ہے، اپنی جانوں پر سب سے زیادہ ظلم ڈھانے والے ٹھہریں گے اور اہنی کے لیے آیت ۲۴ میں یہ وعید ہے کہ "تم انتظار کرو" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے باب میں اپنا فیصلہ صادر فرما دے، یہ حقیقت ایک سے زیادہ مقامات میں واضح کی جا چکی ہے کہ ایمان و اخلاص کی اصل روح اس وقت بیدار ہوتی ہے جب اس کی خاطر اپنوں سے جنگ کرنی پڑے۔

"یلونکم" کی قید اسی پہلو کو نمایاں کر رہی ہے۔

"ولیجدوا فیکم غلظۃ" یعنی اب وہ تمہارے طرز عمل سے یہ محسوس کر لیں کہ تمہارے اندر ان کے لئے موالات، دوستی اور محبت کی کوئی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے بلکہ جس طرح وہ من حیث القوم تمہارے اور تمہارے دین کے دشمن ہیں اسی طرح تم بھی من حیث الجماعت ان کے اور ان کے دین کے دشمن بنو۔ اب تک وہ تمہارے دل میں اپنے لیے بڑا رزم گوشہ پاتے تھے، اس وجہ سے ان کو توقع تھی کہ وہ اپنے مقاصد کے لیے تم کو برابر استعمال کرتے رہیں گے، اب یہ حالت یک قلم ختم ہو جانی چاہیئے۔

"واعلموا ان اللہ مع المتقین" کے یہاں دو پہلو ہو سکتے ہیں۔

اہل ایمان کی حوصلہ افزائی

ایک تو یہ کہ اہل ایمان کی حوصلہ افزائی ہو۔ یعنی تم ان سے جنگ کرنے میں کوئی کمزوری و پست ہمتی نہ دکھاؤ، اللہ کی معیت و نصرت اس کے متقی بندوں ہی کو حاصل ہوتی ہے اگر تم تقویٰ پر قائم رہے تو فتح و نصرت تمہاری ہی ہے، یہ لوگ ذلیل و خوار ہوں گے۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا کی معیت اس کی نصرت کو بھی مستلزم ہے۔ اس وجہ سے خدا کے ساتھ ہونے کے معنی اس کی مدد و نصرت کے ساتھ ہونے کے ہیں۔

مسلمانوں کو تنبیہ

دوسرا یہ کہ مسلمانوں کو تنبیہ ہو کہ تمہیں ان سے جنگ اور ان کے معاملے میں شدت اختیار کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے تو اس میں بھی تم خدا کے مقرر کردہ حدود و قیود کی پوری پابندی کرنا، کسی مرحلے میں بھی حدود الٰہی سے تجاوز نہ کرنا، اللہ صرف اپنے متقی بندوں کا ساتھی ہے۔ پیچھے یہ ہدایات گزر چکی ہیں کہ جو کفار و مشرکین اپنے معاہدات پر قائم ہیں ان کے معاہدات کی مدت پوری کی جائے نیز محترم مہینوں کا احترام ملحوظ رکھا جائے۔ یہ انہی باتوں کی تاکید مزید ہے

"واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا فاما الذین اٰمنوا فزادتھم ایمانا وھم یستبشرون ۝ واما الذین

فی قلوبھم مرض فزادتھم رجسا الی رجسھم وماتوا وھم کافرون ٥
اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لا یتوبون
ولا ھم یذکرون ٥ واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضھم الی بعض ھل
یراکم من احد ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم قوم لا یفقھون ۱۲۵-۱۲۷

گروہِ منافقین کی طرف اشارہ

یہ ان منافقین کی طرف اشارہ ہے جو اس سورہ کی تمام تنبیہات و تحذیرات کے بعد بھی بدستور نہ صرف اپنے نفاق میں مبتلا رہے بلکہ درجہ بدرجہ ان کا نفاق سخت سے سخت تر ہی ہوتا چلا گیا - اللہ تعالیٰ کی کوئی تنبیہ بھی ان کو توبہ کے لیے بیدار نہ کرسکی یہاں تک کہ اسی حالت میں ان کو موت آئی -

'واذا ما انزلت سورۃ فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا' 'سورہ' سے قرآن کی کوئی سورہ بھی مراد ہوسکتی ہے اور قرآن کا کوئی خاص حکم اور اس کا کوئی خاص ٹکڑا بھی -

یہ منافقین مجلسِ نبوی میں مجبوراً محض دکھاوے اور مسلمانوں کو مطمئن رکھنے کے لئے جاتے تھے وہاں ان کو ہر روز قرآن کے نئے نئے مطالبات سے سابقہ پیش آتا، کبھی کوئی حکم سنایا جاتا، کبھی کوئی - یہ روز روز کے نئے نئے احکام ان پر بڑے شاق گزرتے - ان کے خلاف کھل کر کچھ کہنے کی جرأت تو ہوتی نہیں تھی البتہ کچھ طنزیہ فقرے چست کرکے وہ دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کرتے، مثلاً کہتے کہ 'ہاں بھئی بتاؤ اس نئے حکم سے کن کن لوگوں کا ایمان تازہ ہوا ہے!' اس قسم کے طنز و تعریض سے ان کا مقصود اللہ اور رسول کے احکام کی تحقیر اور مخلص مسلمانوں کی حوصلہ شکنی ہوتا -

اہلِ ایمان پر قرآن کا اثر

'فاما الذین امنوا ..... وما توا وھم کافرون' یہ ان کے اسی قسم کے زہر آلود طنزیہ فقروں کا جواب ہے کہ جو سچے اہلِ ایمان ہیں ان کے لئے تو قرآن کی ہر سورہ اور اس کا ہر حکم ان کے ایمان و اسلام میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتا ہے اور جب وہ سنتے ہیں کہ قرآن کا کوئی نیا ٹکڑا نازل ہوا ہے تو بجائے اس کے کہ اس سے ان کے دل بھنچیں وہ خوش ہوتے ہیں کہ رحمتِ الٰہی کی ایک اور گھٹا برسی - البتہ جن کے دلوں میں نفاق کا روگ ہوتا ہے ان کی اس نجاست پر مزید نجاست کے ردّے پر ردّے چڑھتے چلے جاتے ہیں - ان کو زندگی کے کسی مرحلے میں بھی توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی - یہاں تک کہ اسی حالتِ کفر میں ان کو ایک دن فرشتۂ اجل آ دبوچتا ہے -

اہلِ نفاق پر قرآن کا اثر

قرآن کی آیات سے اہلِ ایمان کے ایمان میں درجہ بدرجہ زیادتی ہوتا اور اہلِ نفاق کے نفاق کا غلیظ سے غلیظ تر ہونا محض استعارہ نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے - قرآن کا ہر حکم اہلِ ایمان کے لیے ایک میدانِ مسابقت کھولتا ہے اور جب وہ اس میدان کی بازی جیت لیتے ہیں تو ان کی قوت اور بڑھ جاتی ہے مزید دوسرے میدان جیتنے کے

لیے عزم و حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ درجہ بدرجہ وہ سعادت کی آخری منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ برعکس اس کے اہلِ نفاق ایک محرومی کے بعد دوسری محرومی اور ایک پسپائی کے بعد دوسری پسپائی کی ذلتیں سہتے سہتے عزم و ایمان کی آخری رمق سے بھی بالکل خالی ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں پر نفاق کی اتنی موٹی تہیں جم جاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل کے اندر جتنی صلاحیتیں ودیعت فرمائی ہیں، سب ان کے نیچے دب دبا کر مردہ ہو جاتی ہیں۔

توفیقِ توبہ سے محرومی

'اولایرون انھم یفتنون ... الآیۃ' اوپر والی آیت میں ان لوگوں کے توفیقِ توبہ سے محروم ہو جانے کی طرف جو اشارہ ہے یہ اسی کی دلیل ہے کہ یہ لوگ غور کرتے تو انہیں خود اندازہ ہو جاتا کہ ان کی بیماری اب اس حد کو پہنچ چکی ہے کہ ان کے لیے توبہ کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اپنے ہر بندے پر رحمت کرنا چاہتا ہے اس وجہ سے اس نے دنیا کا نظام اس طرح رکھا ہے کہ ہر شخص، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، سال میں ایک دو بار ضرور کسی نہ کسی ایسی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے جو اس کو توبہ اور اصلاح پر ابھارے۔ جو صاحبِ توفیق ہوتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے سبق حاصل کرتے اور ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں لیکن جو لوگ اپنے اعمال کی پاداش میں توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں وہ ان آزمائشوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ چنانچہ یہ لوگ اب اسی حالت کو پہنچ چکے ہیں۔ اب کوئی ٹھوکر بھی ان کی آنکھیں کھولنے والی نہیں بنتی۔ 'ثم لا یتوبون' میں ان کے دلوں کی قساوت کی طرف اشارہ ہے اور 'ولاھم یذکرون' میں ان کی عقلوں کے کند ہونے کی طرف۔ اس لیے کہ 'توبہ' دل کا فعل ہے اور 'تذکر' عقل کا۔ گویا ان کے اعمال کی سیاہی نے ان کی ان دونوں ہی چیزوں کو تاریک کر دیا ہے۔

مجلسِ نبوی سے منافقین کا فرار

'واذا ما انزلت سورۃ نظر بعضھم الی بعض ھل یراکم من احد ثم انصرفوا' یہ تصویر ہے ان منافقین کے مجلسِ نبوی سے چپکے سے کھسک جانے کی۔ اہم اجتماعی مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مسلمانوں کو کسی نئی مہم کی تیاری اور اس سے متعلق قرآن کی تازہ ہدایات سے آگاہ کرنے کے لیے بلاتے تو آنے کو تو منافقین بھی سرِ بازار حاضر ہی ہیں، محض دکھاوے کے لیے آجاتے لیکن جب دیکھتے کہ کوئی مشکل مہم درپیش ہے، مجلس میں موجود رہے تو اس کی ذمہ داریوں میں حصہ لینا پڑے گا، تو آپس میں کن انکھیوں سے اشارے شروع کر دیتے۔ مطلب یہ اگر مسلمانوں میں سے کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو یہاں سے کھسک چلو۔ پھر مسلمانوں کی نظریں بچا کر ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے، یکے بعد دیگرے وہاں سے سٹک جاتے۔ منافقین کی اس روش کی طرف اس سے زیادہ تفصیل سے سورہ نور میں اشارہ ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سچے مومن تو بس وہی ہیں جو اللہ اور اس

بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ
عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا
اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ
لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ
لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ
بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ
قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ
مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ
يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ
تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ نور ۶۲-۶۳

کے رسولؐ پر ایمان لائے اور جب وہ کسی اجتماعی معاملے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو اس وقت تک وہاں سے نہیں ٹلتے جب تک وہ پیغمبر سے اجازت نہ حاصل کر لیں۔ جو لوگ تم سے اجازت لیتے ہیں وہی در اصل اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھنے والے ہیں تو ایسے لوگ جب تم سے اجازت مانگیں اپنی کسی ضرورت کے لیے تو تم ان میں سے جس کو چاہو اجازت دے دیا کرو اور ان کے لیے اللہ سے مغفرت چاہو۔ اللہ غفور رحیم ہے — لوگو! جب رسولؐ تم کو بلائے تو اس کے بلانے کو اس طرح کا بلانا نہ سمجھو جیسا کہ تمہارا ایک دوسرے کو بلانا ہوتا ہے۔ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو جانتا رہا ہے جو ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے کھسک جایا کرتے رہے ہیں تو جو لوگ نبیؐ کے حکم سے اعراض کرتے رہے ہیں انہیں ڈرنا چاہیئے کہ مبادا انہیں کوئی آزمائش پیش آجائے یا وہ ایک دردناک عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔

اللہ سے فرار اختیار کرنے والوں پر لعنت

'صرف اللہ قلوبھم بانھم قوم لا یفقھون -' یعنی جب انہوں نے اللہ اور رسول سے روگردانی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو پھیر دیا۔ یہ لعنت کی تعبیر ہے اور دوسرے الفاظ میں اس کا مدعا وہی ہے جو 'فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم' کا ہے۔ اس حالت کو پہنچ جانے کے بعد آدمی کے دل پر مہر ہو جایا کرتی ہے اور آیت سے واضح ہے کہ یہ مہر آدمی کے خود اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے۔ 'بانھم قوم لا یفقھون' یعنی جو لوگ اپنے دل و دماغ کی صلاحیتوں سے خدا کی تنبیہات کے بعد بھی

کام نہیں لیتے ان کی ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ اس سمت میں موڑ دیتا ہے جس سمت کو وہ جانا چاہتے ہیں۔

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم، حریص علیکم بالمومنین رؤوف رحیم ۝ فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم ۝ ۱۲۸-۱۲۹

یہ دونوں آیتیں آخری تنبیہ کے طور پر نازل ہوئی ہیں۔ پہلے اس عظیم احسان کی طرف توجہ دلائی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ذریعہ سے تمام خلق پر عموماً اور اہل عرب پر خصوصاً فرمایا ہے۔ خطاب اگرچہ عام ہے لیکن سیاق کلام دلیل ہے کہ روئے سخن انہی لوگوں کی طرف ہے جو اس عظیم نعمت کی قدر کرنے کی بجائے اس کو اپنے لیے ایک مصیبت سمجھ رہے تھے۔ فرمایا کہ تمہارے پاس ایک رسول تمہی میں سے آچکا ہے۔ 'من انفسکم' کے الفاظ میں اتمام حجت اور احسان کے جو پہلو مضمر ہیں ان کی طرف سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔ 'عزیز علیہ ما عنتم' یعنی تم میں سے شامت زدہ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ رسول ان کے لیے ایک مصیبت اور مصیبتوں کے دروازے کھولنے والا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو تم کو مصیبت اور ہلاکت میں مبتلا کرنے والی ہو اس کے دل پر نہایت شاق ہے۔ وہ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں کی کلفتوں اور ہلاکتوں سے محفوظ اور دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اس کی ساری بھاگ دوڑ اور تمام تعلیم و تبلیغ اسی مقصد کے لیے ہے لیکن جو لوگ اسی دنیا کی زندگی کو کل زندگی سمجھے بیٹھے ہیں ان کو اس کی وہ باتیں بہت گراں گزرتی ہیں جو ان کو اپنے دنیوی مفادات کے خلاف نظر آتی ہیں حالانکہ اگر وہ اس دنیا کے بعد کی زندگی کی اہمیت کو جانتے ہوتے تو ان کو اندازہ ہوتا کہ پیغمبر کی یہ ساری بے قراریاں اور بے چینیاں اپنے لیے نہیں بلکہ خود ان کو ہر کرب اور ہر دکھ سے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں۔

'حریص علیکم' یعنی وہ جو اس درجہ تمہارے درپے ہے تو اس میں اس کی اپنی کوئی غرض شامل نہیں بلکہ یہ صرف اس سبب سے ہے کہ وہ تمہارے ایمان و اسلام اور تمہاری صلاح و فلاح کا نہایت حریص ہے جس طرح ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے لیے ہر خیر کا متمنی اور حریص ہوتا ہے، اس چیز سے کبھی اس کا دل نہیں بھرتا، اسی طرح اللہ کا رسول تمہارے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں ہر خیر کا حریص اور متمنی ہے، پس سخت ہے ان لوگوں پر جو ایسی شفیق اور مہربان ہستی کی قدر نہ کریں۔

'بالمومنین رؤوف رحیم' 'رؤوف' اور 'رحیم' کے فرق پر ہم دوسری جگہ روشنی ڈال چکے ہیں۔ ایک کے اندر دفع شر کا پہلو نمایاں ہے دوسرے کے اندر عطائے خیر اور پائداری رحمت کا۔ یہ دونوں صفتیں اللہ تعالیٰ کی صفات حسنیٰ میں سے ہیں جو بعینہٖ یہاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال

مرکزی **انجمن خدام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبع ایمان ——— اور ——— سرچشمۂ یقین

قرآن حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے ——— اور ——— اعلیٰ علمی سطح

پر تشہیر و اشاعت ہے

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشأۃِ ثانیہ ——— اور ——— غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

Regd. No. L. 7360

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol 19 | SEPTEMBER 1972 | No. 8-9

جماعتِ اسلامی

- کن مقاصد کے تحت قائم ہوئی تھی؟
- آزادی سے قبل اس کے نظریات کیا تھے؟
- قیامِ پاکستان کے بعد اس نے کیا طرزِ عمل اختیار کیا؟ اور
- اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جماعت کے ماضی و حال کا ایک تاریخی تجزیہ جماعت کے سابق کارکن کے قلم سے

تحریکِ جماعتِ اسلامی

ایک تحقیقی مطالعہ

تالیف

ڈاکٹر اسرار احمد ایم اے ایم بی بی ایس

سابق ناظمِ اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری

● ضخامت - ۲۳۶ صفحات ● سائز بڑا ● طباعت آفسٹ ● مجلد مع گردپوش
● قیمت - ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک

دار الاشاعت الاسلامیہ
کرشن نگر، لاہور

پبلشر : محی الدین - طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ لاہور
مقام اشاعت : کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - ۱